عمر ثانیؒ

(حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا تذکرہ)

مرتب
مائل خیر آبادیؒ

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

رسول اللہ ﷺ اور خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کی سربراہی میں اسلامی ریاست کا جو نظام چالیس سال تک چلتا رہا تھا اس کے دستور کی اوّلین خصوصیت یہ تھی کہ اس میں صرف زبان ہی سے یہ نہیں کہا جاتا تھا، بلکہ سچّے دل سے یہ مانا بھی جاتا تھا اور عملی رویّہ سے اس عقیدہ ویقین کا پورا ثبوت بھی دیا جاتا تھا کہ ملک خدا کا ہے، باشندے خدا کی رعیت ہیں اور حکومت اس رعیت کے معاملے میں خدا کے سامنے جواب دہ ہے۔ حکومت اس رعیت کی مالک نہیں ہے اور رعیت اس کی غلام نہیں ہے۔ حکمرانوں کا کام سب سے پہلے اپنی گردن میں خدا کی بندگی وغلامی کا قلادہ ڈالنا ہے۔ پھر یہ ان کی ذمے داری ہے کہ خدا کی رعیت پر اس کا قانون نافذ کریں۔

اسلامی ریاست کا مقصد خدا کی زمین میں ان نیکیوں کو قائم کرنا اور فروغ دینا ہے جو خدا کو محبوب ہیں اور ان برائیوں کو دبانا اور مٹانا ہے جو خدا کو ناپسند ہیں۔ مگر انسانی بادشاہت کا راستہ اختیار کرنے کے بعد حکومت کا مقصد فتح ممالک اور تسخیر خلائق اور تحصیل باج وخراج اور عیش دنیا کے سوا کچھ نہیں۔ خدا کا کلمہ بلند کرنے کی خدمت بادشاہوں نے کم ہی انجام دی۔ ان کے ہاتھوں اور ان کے اُمرا اور حکّام اور درباریوں کے ہاتھوں بھلائیاں کم اور برائیاں بہت زیادہ پھیلیں۔

اسلامی ریاست کی روح تقویٰ، خداترسی اور پرہیزگاری کی روح تھی، جس کا سب سے بڑا مظہر خود ریاست کا سربراہ ہوتا تھا۔ حکومت کے عمّال، قاضی اور سپہ سالار سب اسی روح سے سرشار ہوتے تھے اور پھر اسی روح سے وہ پورے معاشرے کو سرشار کرتے تھے، لیکن بادشاہی کی راہ پر پڑتے ہی مسلمانوں کی حکومتوں اور ان کے حکمرانوں نے قیصر وکسریٰ کے سے ڈھنگ اور

ٹھاٹھ باٹھ اختیار کر لیے۔ عدل کی جگہ ظلم و جور کا غلبہ ہوتا چلا گیا، پرہیزگاری کی جگہ فسق و فجور، راگ رنگ اور عیش وعشرت کا دور دورہ شروع ہو گیا، حرام وحلال کی تمیز سے حکمرانوں کی سیاست و سیرت خالی ہوتی چلی گئی۔ سیاست کا رشتہ اخلاق سے ٹوٹتا چلا گیا، خدا سے خود ڈرنے کے بجائے حاکم لوگ خدا کے بندوں کو اپنے آپ سے ڈرانے لگے، اور لوگوں کے ایمان وضمیر کو بیدار کرنے کے بجائے ان کو اپنی بخششوں کے لالچ سے خریدنے لگے۔

دستور اسلامی کا سنگ بنیاد یہ ہے کہ حکومت لوگوں کی آزادانہ رضامندی سے قائم ہو۔ کوئی شخص اپنی کوشش سے اقتدار حاصل نہ کرے، بلکہ لوگ اپنے مشورے سے بہتر آدمی کو چن کر اقتدار اس کے سپرد کر دیں۔ بیعت اقتدار کا نتیجہ نہ ہو، بلکہ اس کا سبب ہو۔ بیعت حاصل ہونے میں آدمی کی اپنی کسی کوشش یا سازش کا دخل نہ ہو۔ لوگ بیعت کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں پوری طرح آزاد ہوں۔ جب تک کسی شخص کو بیعت حاصل نہ ہو وہ برسرِ اقتدار نہ آئے۔ اور جب لوگوں کا اعتماد اس پر سے اٹھ جائے تو وہ اقتدار سے چمٹا نہ رہے۔ خلفاے راشدین میں ہر ایک اسی قاعدے کے مطابق برسر اقتدار آیا تھا۔

دوسرا اہم ترین قاعدہ اس دستور کا یہ ہے کہ حکومت مشورے سے کی جائے اور مشورہ ان لوگوں سے کیا جائے جن کے علم، تقویٰ اور اصابت رائے پر عام لوگوں کو اعتماد ہو، جن سے حق گوئی کے سوا کسی اور چیز کی توقع نہ ہو، جن سے یہ امید ہو کہ ہر معاملے میں اپنے علم وضمیر کے مطابق بالکل صحیح ایمان دارانہ رائے دیں گے اور جن سے کوئی شخص بھی یہ اندیشہ نہ رکھتا ہو کہ وہ حکومت کو کسی غلط راہ پر جانے دیں گے۔

اس دستور کا تیسرا اصول یہ ہے کہ لوگوں کو اظہار رائے کی پوری آزادی ہو، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو اسلام نے ہر مسلمان کا حق ہی نہیں، بلکہ فرض قرار دیا ہے۔ اسلامی معاشرے اور ریاست کے صحیح راستے پر چلنے کا انحصار اس بات پر ہے کہ لوگوں کے ضمیر اور ان کی زبانیں آزاد ہوں، وہ ہر غلط کام پر بڑے سے بڑے آدمی کو ٹوک سکیں اور حق بات برملا کہہ سکیں۔

چوتھا اصول، جو اس تیسرے اصول کے ساتھ لازمی تعلق رکھتا ہو یہ ہے کہ خلیفہ اور اس کی حکومت خدا اور خلق دونوں کے سامنے جواب دہ ہے۔

پانچواں اصول اسلامی دستور کا یہ ہے کہ بیت المال خدا کا مال اور مسلمانوں کی امانت ہے، جس میں کوئی چیز حق کی راہ کے سوا کسی دوسری راہ سے آنی نہ چاہیے اور جس میں سے کوئی چیز حق کے سوا کسی دوسری راہ میں جانی نہ چاہیے۔ خلیفہ کا حق اس مال میں اتنا ہی ہے، جتنا قرآن کی رو سے مال یتیم میں اس کے ولی کا ہوتا ہے۔ (یعنی جو اپنے ذاتی ذرائع آمدنی اپنی ضرورت بھر رکھتا ہو، وہ اس مال سے تنخواہ لیتے ہوئے شرم کرے، اور جو واقعی حاجت مند ہو وہ اتنی تنخواہ لے جسے ہر معقول آدمی مبنی بر انصاف مانے) خلیفہ اس کی ایک ایک پائی کے آمد و خرچ پر حساب دینے کا ذمے دار ہے، اور مسلمانوں کو اس سے حساب مانگنے کا پورا پورا حق ہے۔

چھٹا اصول اس دستور کا یہ ہے کہ ملک میں قانون (یعنی خدا اور رسولؐ کے قانون) کی حکومت ہونی چاہیے۔ کسی کو قانون سے بالاتر نہ ہونا چاہیے۔ کسی کو قانون کی حدود سے باہر جا کر کام کرنے کا حق نہ ہونا چاہیے ایک عامی سے لے کر سربراہِ مملکت تک سب کے لیے ایک ہی قانون ہونا چاہیے، اور سب پر اسے بے لاگ طریقے سے نافذ ہونا چاہیے۔ انصاف کے معاملے میں کسی کے ساتھ کوئی امتیازی سلوک نہ ہونا چاہیے۔ اور عدالتوں کو انصاف کے لیے ہر دباؤ سے بالکل آزاد ہونا چاہیے۔

مسلمانوں میں حقوق اور مراتب کے لحاظ سے کامل مساوات اسلامی دستور کا ساتواں اصول ہے، جسے ابتدائی اسلامی ریاست میں (نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے زمانے میں) پوری قوت کے ساتھ قائم کیا گیا تھا۔ مسلمانوں کے درمیان نسل، وطن، زبان وغیرہ کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ قبیلے، خاندان اور حسب ونسب کے لحاظ سے کسی کو کسی پر فضیلت نہ تھی، خدا اور رسول کے ماننے والے سب لوگوں کے حقوق یکساں تھے اور سب کی حیثیت برابر تھی۔ ایک کو دوسرے پر ترجیح اگر تھی تو سیرت و اخلاق، اہلیت و صلاحیت اور خدمات کے لحاظ سے تھی۔

ایک عظیم مفکر کے ایک مقالے کا یہ اقتباس ہماری کتاب ''عمر ثانیؒ'' کے لیے بہترین دیباچہ ہے۔ اس اقتباس کو ذہن میں رکھ کر ''عمر ثانیؒ'' کا مطالعہ کیا جائے تو نظر آئے گا کہ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی وہ پہلے خلیفہ ہیں، جنھوں نے اسلامی دستور کے اصولوں کو ہر وقت نظر کے سامنے رکھا۔ معاشرے اور ریاست کی تشکیل کے لیے انہی اصولوں کو راہ نما بنایا۔ اللہ تعالیٰ سے ہماری دعا ہے کہ ہم انہی اصولوں پر معاشرے اور ریاست کی تشکیل کا چلتا پھرتا نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ آمین!

(مائل خیر آبادیؒ)

تعارف

رسول کریم ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بالترتیب خلیفہ ہوئے۔ حضرت علیؓ کے بعد خلافت پر خاندان بنی اُمیّہ کا قبضہ ہوگیا۔ خاندان بنی اُمیّہ کے خلفاء میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ ساتویں خلیفہ ہیں۔

حضرت معاویہؓ، یزید، مروان، عبد الملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبد العزیزؒ۔

اللہ تعالیٰ نے خاندان امیّہ کے تیسرے خلیفہ مروان کو جو آل واولاد عطا فرمائی تھی اس میں عبد الملک اور عبد العزیز اس کے دو بیٹے بڑے خوش نصیب نکلے۔ مروان کے بعد عبد الملک خلیفہ ہوا اور عبد العزیز بیس اکیس برس مصر جیسے خوش حال صوبہ کے گورنر رہے۔ کہتے ہیں کہ اسلام کی تاریخ میں عبد العزیز کے علاوہ کوئی دوسرا شخص اتنے دنوں تک گورنر نہ رہ سکا۔ انھوں نے اپنی زندگی بڑی شان سے گزاری۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بڑی بڑی تمنائیں پوری کیں، اور انھوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ انہی خوش نصیب گورنر عبد العزیز بن مروان کے بیٹے تھے۔

یہ تو ہوا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا باپ کے تعلق سے تعارف۔ ماں ایک ایسی بزرگ خاتون کی بیٹی تھیں، جن کے متعلق تاریخ کی کتابوں میں ایک نہایت دل چسپ اور نصیحت آمیز واقعہ پایا جاتا ہے۔ لکھا ہے:

ایک روز رات کو خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے غلام اسلم کے ساتھ رعایا کی دیکھ بھال کے لیے نکلے۔ گشت لگاتے لگاتے ایک جگہ تھک کر بیٹھ گئے۔ پاس ہی ایک گھر تھا۔ گھر کے اندر سے ایک آواز آئی:

آواز: ''بیٹی! اٹھ کر دودھ میں پانی ملا دو۔''

دوسری آواز: ''امیر المومنین کا حکم ہے کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے۔''

پہلی آواز: ''اس وقت امیر المومنین دیکھ نہیں سکتے۔ تم دودھ میں پانی ملا دو۔''

دوسری آواز: خدا کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا کہ میں امیر المومنین کی اطاعت کا دَم بھروں، اور تنہائی میں ان کی نافرمانی کروں۔''

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ گفتگو سن لی۔ صبح کو تحقیقات کی۔ معلوم ہوا کہ گھر میں ایک کنواری لڑکی اور ایک بیوہ ماں، صرف دو افراد ہیں۔ اب حضرت عمرؓ نے اپنے لڑکوں کو بلایا، انہیں رات کی واردات سنائی اور کہا۔ ''اگر مجھے نکاح کی ضرورت ہوتی تو میں خود اس لڑکی سے شادی کرتا۔ لیکن تم میں جو پسند کرے اس سے میں اس کا نکاح کر سکتا ہوں۔

حضرت عمرؓ کے بیٹوں میں صرف عاصمؓ نے اپنی ضرورت بیان کی، حضرت عمرؓ نے انہی کے ساتھ اس نیک لڑکی کا نکاح کر دیا۔ اس لڑکی سے اُمّ عاصم نامی ایک دین دار صاحب زادی پیدا ہوئیں۔ اُمّ عاصم کی شادی مصر کے گورنر عبدالعزیز بن مروان کے ساتھ ہوئی۔ یہی اُمّ عاصم حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ماں تھیں۔

اس مختصر تعارف سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کو اگر ایک طرف عبدالعزیز، عبدالملک، ولید اور سلیمان جیسے شان و شوکت والے حکمرانوں سے تعلق رہا تو دوسری طرف حضرت عمر فاروقؓ کے تربیت یافتہ حضرات عبداللہ بن عمرؓ، عبدالرحمٰن، عاصم اور اُمّ عاصم جیسے بزرگوں سے نسبت رہی۔ ان صاحبانِ دین و دنیا کا اثر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی زندگی پر کیا پڑا؟ اس کا جواب ان کی چالیس سالہ زندگی ہے، جسے ہم مختصراً برائے تذکیر پیش کرنا چاہتے ہیں۔

(مائل خیر آبادیؒ)

باب اوّل

پیدائش اور تعلیم و تربیت

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ٦١ھ یا ٦٢ھ میں اپنے ننھیال (مدینہ) میں پیدا ہوئے۔ وہیں انھوں نے اپنا بچپن گزارا، وہیں تعلیم حاصل کی اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے متقی بزرگ کی نگرانی میں تربیت پائی۔

تعلیم و تربیت کے زمانے میں ایک بار ان کے والد عبد العزیز بن مروان نے مصر سے اُمّ عاصم کو لکھا کہ بچے کو لے کر چلی آئیں۔ ام عاصم نے خط اپنے چچا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دکھایا۔ انھوں نے فرمایا کہ تم چلی جاؤ لیکن بچے کو ہمارے پاس چھوڑ جاؤ۔ یہ ہر بات میں ہم سے ملتا جلتا ہے۔

چچا کا یہ مشورہ پا کر اُمِ عاصم شوہر کے پاس مصر چلی گئیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ مدینہ میں رہ گئے۔ عبد العزیز نے بیٹے کو ابھی تک دیکھا نہیں تھا۔ بیوی سے پوچھا تو انھوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی تقریر دہرا دی۔ عبد العزیز بہت خوش ہوئے۔ اپنے بھائی خلیفہ عبد الملک کو سارا حال لکھ بھیجا۔ اس نے ہزار دینار ماہانہ وظیفہ مقرر کر دیا۔

عمر بن عبد العزیزؒ ذرا بڑے ہوئے تو انھیں صالح بن کیسان کی نگرانی میں دے دیا گیا۔ صالح بن کیستان مدینہ کے بہت بڑے عالم اور متقی بزرگ تھے۔ انہی بزرگ کی نگرانی میں انھوں نے تعلیم حاصل کی۔ صالح بن کیسان تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی اور اخلاقی باتوں کی دیکھ بھال بھی سختی سے کرتے تھے، بات بات پر نگاہ رکھتے۔ اسلامی اصولوں کا پابند بنانے کی انتہائی کوشش کرتے، اس راہ میں جو چیز روڑا بنتی اسے ہٹا پھینکتے۔ چناں چہ واقعہ ہے کہ ایک بار عمر بن عبد العزیز

کو نماز میں دیر ہوگئی۔ صالح بن کیسان نے وجہ پوچھی۔ جواب دیا کہ بال سنوارنے میں دیر ہوگئی۔ بولے اچھا یہ بال تمہارے نزدیک نماز سے بڑھ کر ہیں؟ یہ کہہ کر عبدالعزیز کو واقعہ کی اطلاع کی اور بال منڈوا دیے۔

ایسے اتالیق کی نگرانی میں عمر بن عبدالعزیز نے قرآن حفظ کیا، مدینے میں صحابۂ کرامؓ کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی مگر ان کے شاگرد بہت تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ان سب سے حدیثیں سنیں، عربی زبان پر عبور حاصل کیا اور شعر و شاعری کی بہترین تعلیم بھی پائی۔ مدینے کے علماء کی صحبت میں رہ کر عمر بن عبدالعزیز نے وہ مرتبہ پایا کہ قرآن و حدیث کے بڑے بڑے عالم ان کے علم و کمال کا لوہا مان گئے۔ سب کا کہنا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز اس وقت کے بڑے امام، بڑے فقیہ، بڑے مجتہد، حدیث کے بڑے ماہر اور معتبر حافظ اور سند ہیں۔ خود ان کا بیان ہے کہ میں مدینے سے علم حاصل کر کے نکلا تو وہاں مجھ سے کوئی بڑا عالم نہ تھا، لیکن شام میں آ کر سب کچھ بھول گیا(۱)

---

(۱) یہ اس وقت کا بیان ہے جب گورنری کے دھندوں میں پھنس کر درس و تدریس سے غیر متعلق ہو گئے تھے۔

باب دوم

خلیفہ ہونے تک

شادی

عمر بن عبد العزیزؒ مدینے ہی میں تھے کہ ان کے علم و کمال کی دھوم دور دور تک پہنچ گئی تھی۔ ان کے چچا عبد الملک نے بھی ان کی تعریف سنی۔ عبد الملک اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں دین دار اور صاحب علم حضرات سے کرنے میں بڑا حریص تھا۔ اپنے بھائی عبد العزیز کی شادی ام عاصم سے کرانے میں اس کی خواہش کو بڑا دخل تھا۔ اپنے ایک بیٹے کی شادی حضرت سعید بن مسیّب مشہور تابعی اور فقیہ کی مشہور عالم دین بیٹی سے کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کوشش کے باوجود کامیاب نہ ہوسکا۔ عمر بن عبد العزیز تو گھر کے بچے تھے۔ ۸۷ھ میں اپنی بیٹی فاطمہ کی شادی ان کے ساتھ کر دی۔ اور خناصرہ کا گورنر بنا دیا۔

مدینے کی گورنری

عمر بن عبد العزیز گورنری کے عہدے پر بہت کامیاب رہے۔ عبد الملک ان کے کام سے بہت خوش رہا ـــــ عبد الملک کے بعد ولید خلیفہ ہوا۔ اس نے دیکھا کہ مدینے میں کوئی گورنر کامیاب نہیں ہوتا، اس نے وہاں عمر بن عبد العزیز کو مقرر کرنا چاہا لیکن انھوں نے مدینے کی گورنری قبول کرنے کے لیے یہ شرط پیش کی کہ پچھلے گورنروں کی طرح میں ظلم نہ کروں گا چاہے مدینے سے ایک کوڑی بھی وصول نہ ہو۔ ولید ان کی قابلیت کو سمجھتا تھا۔ اس نے شرط منظور کر لی اور انھیں ربیع الاوّل ۸۷ھ میں مدینے کا گورنر مقرر کر دیا۔

عمر بن عبد العزیزؒ مدینے کے لیے روانہ ہوگئے۔ وہاں جس وقت ان کا سامان پہنچا۔

اس وقت ان کے بچپن کے کچھ ساتھی اور مدرسے کے کچھ دوست موجود تھے۔ ان دوستوں کا خیال تھا کہ عبد اللہ بن عمرؓ اور صالح بن کیسان کا تربیت یافتہ شخص ابو ہریرہؓ اور مصعب بن عمیرؓ کی زندگیوں کا نمونہ اور اپنے پرنانا حضرت عمر فاروقؓ کا مثل ہوگا۔ لیکن تیس اونٹوں پر صرف ان کا اپنا سامان دیکھا تو وہ دنگ رہ گئے اور پکار اٹھے ''علم حکومت کے نیچے دب گیا۔''

عمر بن عبد العزیزؒ کا سامان ان کے دادا مروان کے محل میں اتارا گیا، ظہر کی نماز پڑھ کر انھوں نے مدینے کے دس بزرگوں کو بلایا۔ ان کے سامنے تقریر کی اور انھیں قسم دلائی کہ کسی کو کسی پر ظلم کرتے دیکھیں یا سنیں تو مطلع کریں۔ مدینے والوں کو اس تقریر اور ملاقات کا حال معلوم ہوا تو سب نے ان کے لیے دعائے خیر کی اور پرانے ساتھیوں اور دوستوں نے کہا کہ خاندان خلافت کے تعلّق نے یہ ظاہری شان وشوکت تو ضرور پیدا کی، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ روح اس فضل وکمال سے تروتازہ ہے جو کسی وقت مدینے کے بزرگوں سے حاصل کیا تھا۔

عمر بن عبد العزیزؒ نے مدینے میں بھی بڑی کامیابی سے گورنری کی۔ مدینہ والوں پر خلافت کی طرف سے جو ظلم ہوتا چلا آرہا تھا، وہ قریب قریب ختم ہوگیا۔ اس کے باوجود اس قدر وصول ہوتا کہ خلیفہ کو عمر بن عبد العزیز سے کبھی شکایت نہیں ہوئی۔

عمر بن عبد العزیز نے مدینے میں اور بہت سے کارنمایاں انجام دیے۔ مسجد نبوی کی مرمت اور تعمیر کی طرف حضرت علیؓ کے بعد سے اب تک کسی نے توجہ نہیں کی تھی۔ عمر بن عبد العزیز نے ربیع الاوّل ۸۸ھ سے لے کر ۹۰ء تک نئے سرے سے مسجد تعمیر کروائی۔ اس میں کنگرے اور محرابیں بنوائیں، سیسے کے پرنالے بنوائے، حوض اور فوّارہ بنوایا۔ اس کے لیے بہت سے ملازم رکھے۔ اس کام سے فارغ ہوئے تو مدینے کے قریب کی ساری مسجدوں کی بھی مرمت اور تعمیر کروائی۔

وہ نہایت کامیابی اور مقبولیت کے ساتھ مدینے میں گورنری کر رہے تھے کہ ولید نے مدینے کے ایک بااثر اور بے گناہ آدمی کے سو کوڑے لگوانے، جسم پر ٹھنڈا پانی چھڑکوانے اور قید میں رکھنے کا حکم بھیجا۔ یہ حکم پا کر عمر بن عبد العزیز بہت پریشان ہوئے۔ مجبوراً حکم کی تعمیل کی۔ لیکن ایک صاحب کو حال پوچھنے بھیجا۔ معلوم ہوا کہ وہ شخص ظلم کی تاب نہ لا کر مر گیا۔ یہ خبر پا کر ان کی یہ حالت

ہوئی کہ پریشانی میں کھڑے ہوتے اور زمین پر گر پڑتے اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے۔ اس کے بعد گورنری سے استعفادے دیا۔ یہ واقعہ ۹۳ھ میں پیش آیا۔

خلفاء سے برتاؤ

عمر بن عبدالعزیزؒ مدینے کی گورنری سے استعفادے کر شام چلے گئے۔ خلیفہ ولید اپنے وقت کا بڑا زبردست حکمراں تھا۔ اسے وہ شرط بھی یاد تھی جو اس نے مدینے کا گورنر بناتے وقت عمر بن عبدالعزیزؒ سے کی تھی۔ چناں چہ اس نے ان سے کسی طرح کی پوچھ گچھ نہیں کی۔ ہمیشہ قدر دانی سے پیش آتا رہا اور حکومت کے کاموں میں رائے اور مشورہ لیتا رہا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے کبھی حق کے خلاف اسے مشورہ نہیں دیا۔ وہ نہایت خدا ترس، خود دار اور غیرت مند آدمی تھے۔ خاندانِ امیّہ کے شہزادوں اور امیروں سے دنیاوی شان وشوکت میں گھٹ کر رہنا کبھی پسند نہیں کیا اور نہ مشورہ دینے میں چاپلوسی سے کام لیا۔ خاندان خلافت کا ایک فرد ہونے سے اگر ایک طرف امیرانہ ٹھاٹ میں سب سے بڑھ گئے تو فاروقی خاندان سے تعلق، عبداللہ بن عمرؓ کی تربیت اور صالح بن کیسان کی شاگردی کے اثرات کی وجہ سے جو خوف خدا پیدا ہوا اس نے اور کسی سے مرعوب نہیں ہونے دیا، بچپن میں مدینے کے بزرگوں سے جو علم حاصل کیا تھا۔ اس کی چمک اپنا رنگ دکھاتی رہتی تھی ـــــ ولید اور سلیمان اگر چہ خلیفہ تھے، پھر بھی چچازاد بھائی تھے، ان سے کیا دبتے؟ عبدالملک جو چچا تھا، خلیفہ تھا اور خسر بھی۔ اسے بھی بڑی جرأت اور آزادی کے ساتھ ٹوک دیا کرتے۔ ایک بار عبدالملک کو ایک خط کے ذریعے اس طرح متوجہ کیا۔

> ''تو ایک چرواہا ہے، اور ہر چرواہے سے اس کے گلّے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ انس بن مالکؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی ہے۔ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ خدائے واحد تم سب کو قیامت کے روز جمع کرے گا اور خدا سے زیادہ بات میں سچا کون ہوسکتا ہے؟''

عمر بن عبدالعزیزؒ کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ ایک دن ایسا ضرور آکر رہے گا کہ ہر شخص کو اس کے کیے کا پھل مل کر رہے گا۔ اس لیے اے خلیفہ! نیکی کر اور برائی سے باز آ! اور تجھ پر خلافت

کی جو ذمے داری ڈالی گئی ہے اسے تو ادا کر، خدا سے ڈر اور دین کے مطابق رعایا کی حفاظت کر! رعایا کا ایک فرد بھی اللہ کی نافرمانی کرے گا تو اس کے ساتھ تو بھی پکڑا جائے گا۔

اصل میں یہی خوف آخرت اور خوف خدا جس کی دوسروں کو تلقین کرتے تھے خود ان کے دل میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے انھیں بے حد جری بنا دیا تھا۔ ولید ایک سخت مزاج خلیفہ تھا اور حجاج بن یوسف جیسے ظالم اور شقی حاکم کا سرپرست بھی۔ ولید چاہتا تھا کہ سلیمان بن عبدالملک کی بیعت توڑ وا دے(۱)۔ اور اپنی مرضی کے مطابق کسی شخص کی بیعت لوگوں سے لے۔ اس نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے سلیمان کی بیعت توڑنے کے لیے کہا۔ انھوں نے صاف انکار کر دیا اور کہا۔ ''ہم نے ایک ساتھ تم دونوں کی بیعت کی ہے۔ اس لیے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کی بیعت توڑ دیں اور تمہاری قائم رکھیں۔''

ولید کے بعد سلیمان خلیفہ ہوا تو عمر بن عبدالعزیزؒ اسے بھی اس کی غفلتوں کی طرف متوجہ کرتے رہتے۔ سلیمان ان کی شان و شوکت اور علم و فضل سے اس درجہ مرعوب تھا کہ اس نے ان کو گویا اپنا وزیر بنا لیا تھا۔ اس کے سامنے عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنا جو کردار پیش کیا وہ حسب ذیل واقعات سے ظاہر ہوتا ہے۔

ایک بار ایک خارجی نے سلیمان کو برا بھلا کہا۔ سلیمان نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے پوچھا۔ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہیے؟ انھوں نے جواب دیا —— آپ اسے برا بھلا کہہ لیجیے۔

ایک بار عمر بن عبدالعزیزؒ اور سلیمان کے غلاموں میں لڑائی ہوئی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے غلام غالب رہے۔ یہ خبر سلیمان کو ہوئی۔ اس نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے شکایت کی۔ ''تمہارے غلاموں نے ہمارے غلاموں کو کیوں مارا؟ جواب دیا۔ ''مجھے معلوم نہیں۔ میں نے تو یہ واقعہ آپ سے سنا۔'' اس جواب پر سلیمان نے کہا۔ ''تم جھوٹ کہتے ہو۔''

یہ سن کر عمر بن عبدالعزیزؒ کو سخت غیرت آئی۔ اس سے کہا۔ ''تم مجھے جھوٹا کہتے ہو، حالاں کہ جب سے میں نے ہوش سنبھالا کبھی جھوٹ نہ کہا۔

---

(۱) خاندانِ اُمیّہ کے خلفاء اپنی زندگی میں کئی کئی آدمیوں کو ترتیب وار خلیفہ نامزد کر جاتے تھے۔ یعنی پہلے یہ خلیفہ ہو، پھر یہ، اس کے بعد یہ۔ چناں چہ عبدالملک نے پہلے ولید پھر سلیمان کے لیے لوگوں سے بیعت لی تھی۔

امیر المومنین! میرے خدا کی زمین بہت وسیع ہے جو مجھے آپ سے بے پروا کر سکتی ہے۔" یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور مصر جانے کا ارادہ کیا لیکن سلیمان نے منا لیا۔

ایک بار سلیمان نے عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے کہا کہ عورتیں جائداد میں حصہ نہیں پاتیں۔ انھیں سن کر تعجب ہوا۔ بولے۔ "سبحان اللہ! قرآن مجید کہاں ہے؟" سلیمان نے غلام سے کہا کہ "خلیفہ عبد الملک نے عورتوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے لے آؤ۔" یہ سن کر عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا۔ "یہ آپ قرآن مجید منگوا رہے ہیں؟" یہ فقرہ ایک طرح سے بڑا سخت طنز تھا۔ سلیمان کا بیٹا ایوب اس وقت موجود تھا۔ سن کر تڑپ گیا۔ بولا۔ امیر المومنین کے سامنے اگر کوئی باتیں کرے گا تو ممکن ہے اس کی گردن اڑا دی جائے۔" خلیفہ کے بیٹے کی بات سن کر عمر بن عبد العزیزؒ نے جواب دیا۔ اگر تم خلیفہ ہو گے تو رعایا کو اس سے بھی زیادہ صدمہ پہنچے گا۔(۱)"

سلیمان نے بیٹے کو ڈانٹا کہ "عمر سے اس طرح کی باتیں کرتے ہو؟"

یہ سن کر عمر بن عبد العزیزؒ پھر بولے۔ "آپ غم نہ کریں میں نے خوب کھری کھری سنائی۔"

ایک بار سلیمان حج کو گیا۔ عمر بن عبد العزیزؒ ساتھ تھے۔ ساز و سامان اور لشکر سبھی کچھ تھا۔ ایک جگہ پڑاؤ ڈالا۔ سامان پر سلیمان کی نظر پڑی تو غرور کے نشے میں چور ہو گیا۔ عمر بن عبد العزیزؒ کے متعلق اسے معلوم تھا کہ شان و شوکت کو پسند کرتے ہیں۔ پوچھا۔ تم کو یہ چیزیں کیسی نظر آ رہی ہیں؟" انھوں نے جواب ایسا دیا کہ اس کا غرور خاک میں مل گیا۔ فرمایا۔ "معلوم ہوتا ہے دنیا، دنیا کو کھا رہی ہے۔ تم سے اس ساز و سامان کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔"

ایک بار بجلی اس زور سے کڑکی کہ لوگوں کے دل دہل گئے۔ سلیمان نے گھبرا کر ایک لاکھ درہم عمر بن عبد العزیزؒ کو دیے کہ صدقہ کر دیں — انھوں نے کہا۔ "اس سے بہتر ایک اور کام ہے۔" سلیمان نے پوچھا۔ "کیا؟" بولے۔ "تم نے جن لوگوں کی جائداد پر قبضہ کر لیا ہے واپس کر دو۔"

ایک بار سفر میں سلیمان کے ساتھ تھے۔ باتوں باتوں میں اسباب سے آگے نکل گئے۔

---

(۱) سلیمان بن عبد الملک نے اپنے بعد ایوب کو ولی عہد بنایا تھا لیکن پھر اس کے بدلے دوسرے کو ولی عہد مقرر کیا۔

منزل پر پہنچ کر گھوڑوں سے اترے اور سامان کا انتظار کرنے لگے۔ دیکھا کہ جو لوگ اسباب پہلے بھیج چکے ہیں ان کے پاس سامان آرہا ہے۔ یہ دیکھ کر رو پڑے۔ سلیمان نے رونے کی وجہ پوچھی تو بولے۔ ”اسی طرح قیامت کے دن جو شخص سفر کا سامان پہلے بھیج چکا ہوگا وہ اس کو مل جائے گا اور جس نے نہیں بھیجا اسے کچھ نہیں ملے گا(۱)“

خلافت

عمر بن عبدالعزیزؒ جس طرح دینی معاملات کی طرف توجہ دلاتے رہتے اسی طرح دنیاوی کاموں میں بھی اس کی مدد کرتے رہتے اور حکومت سے متعلق امور میں بھی بڑے اچھے مشورے دیتے۔ ان کی اس نصح و خیر خواہی سے سلیمان بن عبدالملک بے حد متاثر تھا۔ اس اثر کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلیمان نے اپنی آخری عمر میں ایسا بڑا کام کیا جو ملتِ اسلامیہ کے لیے نہایت بہتر ثابت ہوا۔ اللہ تعالیٰ سلیمان پر رحمت نازل فرمائے۔ اس نے مرنے سے پہلے اپنے ولی عہد بیٹے کو خلیفہ ہونے سے محروم کر دیا اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو خلیفہ بنانے کے لیے وصیت نامہ لکھ گیا۔ نیز اپنی زندگی ہی میں بڑی حکمت کے ساتھ وصیت نامہ دکھائے بغیر نامزد خلیفہ کی بیعت سب سے لے لی۔

سلیمان کی موت کے بعد جب وصیت نامہ پڑھا گیا تو عمر بن عبدالعزیز کا نام نکلا۔ اپنا نام سن کر عمر بن عبدالعزیزؒ خلافت کی ذمے داریوں سے کانپ گئے۔ اس وقت دو کردار ان کے سامنے تھے۔ ایک اپنے خاندان کے خلفاء کا جن میں وہ اپنی زندگی بسر کر رہے تھے۔ دوسرا اپنے پرنانا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا، جن کے خاندان میں بچپن کے دن گزارے تھے اور جہاں رہ کر عبداللہ بن عمرؓ اور صالح بن کیسان جیسے عالم باعمل سے تعلیم و تربیت پائی تھی۔ ان دو کرداروں میں سے ایک ہی کو اختیار کر سکتے تھے۔ چناں چہ ایک کردار کو اختیار کرنے اور دوسرے کو چھوڑ نے پر اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ان کی زبان سے نکلا۔ اس کے بعد انھوں نے جو کچھ کیا اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

---

(۱) یعنی نیکیاں۔

باب سوم

اصلاحات

خلافت کی اصلاح

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ۹۹ھ میں خلیفہ ہوئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت خلیفہ ہوئے جب اسلام کے قیام کو سو برس ختم ہو رہے تھے۔ اس صدی میں جب تک خلافت راشدہ[1] کا زمانہ رہا اس وقت تک ہر چھوٹے بڑے کی زندگی میں اسلام ہی اسلام نظر آ رہا تھا۔ مسجد سے لے کر میدان جنگ تک اسلام کا بول بالا تھا۔ لوگ گھر میں بھی قرآن وسنت کے مطابق زندگی بسر کرتے اور بازاروں میں بھی شریعت کے مطابق لین دین کرتے۔ لیکن پھر یہ بات نہیں رہی۔ خلافت راشدہ کے بعد خاندان امیہ کے خلفاء نے اسے اپنی مرضی کے مطابق چلانا شروع کیا تو زندگی کے شعبوں میں گھن لگنے لگا۔ عقائد، اخلاق، معاملات اور معاشرت غرض زندگی کے ہر معاملے میں رخنہ پڑنے لگا۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ[2] کا ایک اثر وہ تھا جو خلفائے راشدین کے زمانے میں لوگوں پر پڑتا تھا۔ اس کے برعکس جو دوسرا اثر خاندان بنی امیہ کے زمانے میں رعایا پر پڑا نیکیوں کا پھیلاؤ اور برائیوں پر جو دباؤ خلافت راشدہ میں تھا، اب نہ رہا۔ یہ کہنا چاہیے کہ اسلام کے برپا کرنے کی جو غرض تھی لوگ اسے بھولنے لگے تھے۔

اس حالت میں خلافت کا بوجھ عمر بن عبدالعزیزؒ کے کندھوں پر پڑا۔ حالاں کہ ان کی زندگی شاہ زادوں سے بھی بڑھ چڑھ کر تھی۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ خلافت کی موت سے اسلام کی موت اور خلافت کی زندگی سے اسلام کی زندگی ہے۔ پھر اپنی پیدائش سے لے کر تعلیم وتربیت

---

(۱) یعنی حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین کی خلافت کا زمانہ۔

(۲) لوگ اپنے اقتدار والوں کے چلن پر چلتے ہیں۔

سے فارغ ہونے تک اپنے پرنانا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھرانے کے ساتھ رہے۔ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جیسے بزرگوں کی زندگیوں کو دیکھا تھا، اور صالح بن کیسان جیسے بزرگوں کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی تھی۔ حالاں کہ یہ اثر گورنری کے زمانے میں حکومت کی چمک دمک میں دب گیا تھا۔ لیکن جب خود خلیفہ ہوئے تو وہ اثر اپنا رنگ لایا، اور انھوں نے خلیفہ ہوتے ہی وہ کچھ کرنا شروع کر دیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ معاملہ ان کا سوچا سمجھا معاملہ تھا۔ انھوں نے فوراً اصلاح کی طرف قدم بڑھا دیا اور مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود ان کا قدم آگے بڑھتا گیا۔

خاندانِ اُمیّہ نے خلافت کو بادشاہت کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔ اور وہ اسے اپنی ملکیت سمجھتے تھے۔ اسی لیے جو خلیفہ ہوتا وہ اپنے گھر کے آدمی ہی کو خلیفہ نامزد کر جاتا۔ عمر بن عبد العزیز خلیفہ ہونے کے لیے تین طریقوں کو جائز سمجھتے تھے:

(۱) تمام مسلمان کسی کو اپنا خلیفہ بنالیں جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو مسلمانوں نے اپنا خلیفہ چن لیا تھا۔

(۲) مسلمانوں کا بنایا ہوا خلیفہ کسی ایسے شخص کو خلیفہ نامزد کر جائے جو اس کے خاندان سے نہ ہو۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد فرمایا تھا۔

(۳) مسلمانوں کا خلیفہ کچھ ایسے لوگوں کو نامزد کر دے جو اس کے خاندان سے نہ ہوں، اور مسلمانوں کو وصیت کر جائے کہ ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالیں۔ جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھ صحابۂ کرامؓ کو خلیفہ بنانے کے لیے نامزد کر دیا تھا۔

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے خلافت کی اسی بگڑی شکل کی اصلاح کی جو خاندان بنی اُمیّہ نے بنا رکھی تھی۔ اسی دن مسجد میں تمام مسلمانوں کو جمع کیا۔ منبر پر کھڑے ہو کر یہ خطبہ دیا:

> ”لوگو! مجھ پر خلافت کا بوجھ مجھ سے رائے لیے بغیر ڈال دیا گیا، مجھ کو خلیفہ بنانے کے لیے عام مسلمانوں سے بھی رائے نہیں لی گئی اس لیے میں اپنی

بیعت کا طوق تمہاری گردن سے نکالے لیتا ہوں، اب تم جس کو چاہو، پسند کرو اور خلیفہ بنالو۔''

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے اس استعفیٰ پر ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ مسلمانوں نے بلند آواز سے کہنا شروع کر دیا کہ ''ہم آپ کی خلافت پر راضی ہیں، اور ہم نے آپ کو اپنا خلیفہ چنا۔''

یہ ہنگامہ ختم ہوا تو آپ نے ایک تقریر کی۔ لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرایا، آخرت کی باز پُرس یاد دلائی اور موت کے یاد رکھنے کی تلقین کی آخر میں پوری قوت سے آواز بلند کر کے کہا:

''لوگو! جو شخص خدا کی اطاعت کرے، اس کی اطاعت تم پر واجب ہے۔ جو شخص خدا کا حکم نہ مانے اس کا حکم ماننا تمہارے لیے جائز نہیں۔ جب تک میں خدا کے حکموں پر چلوں، میرے حکموں پر چلو، جس دن میں اللہ کی نافرمانی کروں اس دن میرا حکم ماننا تم پر واجب نہیں۔''

اس تقریر کے بعد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ گھر کو چلے تو شاہی سواریاں خچر اور ترکی گھوڑے وغیرہ پیش کیے گئے۔ لیکن انھوں نے انھیں بیت المال میں داخل کر دیا اور کہا کہ میرا خچر کافی ہے۔ کپتان پولیس نیزہ لے کر آگے آگے چلا تو اسے ہٹا دیا اور کہا کہ میں بھی تمام مسلمانوں کی طرح ایک مسلمان ہوں پھر جب ان کے لیے شاہی خیمے لگائے گئے، شاہی فرش بچھایا گیا تو یہ سب سامان بھی بیت المال میں بھجوا دیا اور ایک چٹائی پر بیٹھ گئے اور پہلا حکم یہ دیا کہ ''تمام سامان بیت المال میں داخل کر دیا جائے۔''

یہ سب کر کے گھر آئے تو بے حد فکر مند تھے۔ لونڈی نے حال پوچھا تو فرمایا کہ ''آج دنیا میں کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے جس کا مجھ پر حق نہ ہو۔ مجھ سے پوچھے اور کہے بغیر اُس کا ادا کرنا مجھ پر فرض کر دیا گیا ہے۔''

یہ کہہ کر کھانا کھایا اور لیٹ گئے۔ اتنے میں ان کے صاحب زادے عبد الملک جو نہایت متقی اور پرہیز گار اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی زندگی کا نمونہ تھے۔ آئے سلام کر کے بولے۔

''ابا جان! جو مال ہم نے (خاندانِ اُمیہ نے) لوگوں سے چھینا ہے اس کی واپسی سے پہلے آپ سونا چاہتے ہیں؟'' جواب دیا۔ ''نماز ظہر کے بعد یہی کام کروں گا۔''

عبدالملک نے پھر کہا: اس کی کیا ذمے داری ہے کہ آپ ظہر تک زندہ رہیں گے۔'' بیٹے سے یہ سنا تو جھٹ اٹھ بیٹھے۔ بیٹے کو گلے لگا کر فرمایا: ''خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسی اولاد دی جو مجھ کو دین کے کاموں میں مدد دیتی ہے۔''

اس کے بعد گھر سے نکلے اور اعلان کر دیا کہ ''جس کا مال چھینا گیا ہو، وہ آ کر واپس لے لے۔'' اعلان کے ساتھ ہی آپ مسجد میں جا بیٹھے اور سب سے پہلے اپنے غلام حضرت مزاحم سے کہا۔ ''ہماری جائداد کے کاغذات لاؤ اور بتاؤ کہ ہماری جائداد میں ایسا کون سا مال ہے؟'' مزاحم نے کاغذات پڑھنا اور سنانا شروع کیے عمر بن عبدالعزیزؒ قینچی سے ایسے کاغذات کو کتر کتر کر ڈھیر کرنے لگے۔ آخر میں ایک انگوٹھی کا نگینہ رہ گیا۔ یہ ولید نے ان کو دیا تھا، اسے بھی بیت المال میں جمع کرنے کا حکم دیا تو مزاحم رو پڑے اور عرض کیا۔ ''اولاد کے لیے کھانے پینے کا کیا بنے گا؟'' فرمایا: ''سب کو خدا کے حوالے کرتا ہوں (۱)''

اس سلسلے کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے۔ ان کی بیوی (فاطمہ بنت عبدالملک) کی ایک لونڈی تھی۔ عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہونے سے پہلے اس سے بہت محبت کرتے تھے۔ خلیفہ ہوئے تو وہ بن ٹھن کر مبارک باد پیش کرنے آئی انھوں نے پوچھا۔ ''تم فاطمہ کی ملکیت میں کس طرح آئیں؟'' بولی۔ ''حجاج نے کوفہ کے گورنر پر تاوان لگایا۔ میں اس گورنر کی لونڈی تھی۔ حجاج نے تاوان کے بدلے میں مجھے لے کر خلیفہ عبدالملک کے پاس بھیج دیا۔ میں اس وقت بچہ تھی۔ عبدالملک نے مجھے اپنی بیٹی فاطمہ کی ملکیت میں دے دیا۔'' خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے پھر پوچھا۔ ''کیا وہ گورنر زندہ ہے؟'' بولی۔ مر گیا۔ لیکن اس کی اولاد موجود ہے اور اولاد کا برا حال ہے۔'' یہ سنتے ہی گورنر کی اولاد کو بلایا اور لونڈی واپس کر دی۔ لونڈی چلنے لگی تو بولی۔ آپ کا عشق کیا ہوا؟ فرمایا۔ اب تو وہ اور بڑھ گیا۔''

---

(۱) اس جگہ ایک واقعہ لکھنا مناسب سمجھتا ہوں۔ عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ نے خلیفہ منصور کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے گیارہ لڑکے اور ۱۷ دینار چھوڑے۔ ان میں سے ۷ دینار ان کے کفن دفن میں خرچ ہو گئے۔ باقی گھر والوں پر تقسیم ہوئے۔ لڑکوں نے سترہ سترہ درہم (تقریباً ساڑھے چار روپیہ) پائے ہشام بن عبدالملک بھی گیارہ لڑکے کو چھوڑ کر مرا۔ اس کے لڑکوں نے دس دس لاکھ کی رقم پائی۔ لیکن میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک لڑکے کو دیکھا کہ ایک دن میں سو گھوڑے جہاد میں دیئے اور ہشام کے ایک لڑکے کو دیکھا اسے لوگ صدقہ دے رہے تھے۔

اس واقعہ سے زیادہ ایک اور عبرتناک واقعہ ہے۔ ان کی بیوی فاطمہ کے پاس ایک نہایت قیمتی موتی تھا۔ یہ موتی ان کے والد خلیفہ عبدالملک نے دیا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ہوتے ہی ان سے کہا:

"تم کو دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے، یا تو موتی واپس کر دو یا مجھ سے طلاق لو۔"

بیوی نے جواب دیا:

"میں آپ پر سے ایک موتی کیا؟ ایسے کئی موتی قربان کرنے کو تیار ہوں۔" یہ کہہ کر موتی دے دیا۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اسے بیت المال میں جمع کر دیا(۱)

اس کے بعد سجاوٹ اور ٹھاٹ کے سامان کی طرف متوجہ ہوئے۔ لونڈی، باندی، غلام، عطر، لباس، مشک، عنبر، بوریوں لونگیں جو ان کے لیے خوشبو میں پڑتی تھیں۔ گھوڑے اور اصطبل کا سامان، غرض کہ جو کچھ تھا سب کا سب ۲۲ دینار میں فروخت کر دیا، اور یہ ساری رقم راہِ خدا میں لٹا دی، اور اب جو اٹھے تو فقیر ہو کے اٹھے(۲) اب وہ، وہ عمر بن عبدالعزیز نہیں تھے، جو خاندان بنی اُمیّہ میں سب سے زیادہ عیش پسند شہزادے تھے، بلکہ اب وہ عمر بن خطابؓ تھے، ابو ہریرہؓ تھے، جنیدؒ و شبلیؒ اور حسن بصریؒ تھے۔

زبردستی قبضہ کی ہوئی جو جائداد خاندان بنی اُمیّہ میں جس کے پاس تھی اس کی واپسی کا حکم دیا۔ شاہی خاندان کو جو غیر معمولی وظیفے اور آئے دن عطیے ملا کرتے تھے، سب بند کر دیئے، نماز کے بعد رسول خدا ﷺ کی طرح خاندانِ اُمیّہ پر درود سلام بھیجا جاتا۔ نماز جنازہ میں خاص چادر ان کے لیے بچھائی جاتی۔ عدالتوں میں اونچی جگہ انھیں بیٹھنے کے لیے ملتی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سب کو ختم کر دیا۔ گورنروں کو لکھ بھیجا کہ دربار میں کسی کو کسی پر بڑا بنا کر مت بٹھاؤ۔ چاہے وہ خلافت کے خاندان ہی سے تعلق رکھتا ہو۔ تمام مسلمان آپس میں برابر ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے خلیفہ ہونے سے پہلے خاندان اُمیّہ کے بڑے لوگوں نے

---

(۱) عمر بن عبدالعزیز کے بعد جب یزید بن عبدالملک خلیفہ ہوا تو اس نے وہی موتی فاطمہ کو دینا چاہا، مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا۔

(۲) ایک عیسائی مورخ نے لکھا ہے کہ حقیقت یہ ہے کہ جب عمر بن عبدالعزیز بادشاہ نہ تھے اس وقت سب سے بڑے بادشاہ تھے۔ لیکن جب بادشاہ ہوئے تو راہب بن گئے۔

نماز کے اوقات کی پابندی ترک کر دی تھی اور زکوٰۃ کی وصول یابی اور اس کا خرچ شرع کے مطابق نہیں رہ گیا تھا۔ عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے تو نماز کے قیام اور زکوٰۃ شرع کے مطابق وصول کرنے اور خرچ کرنے کے بارے میں حکم جاری کر دیا۔

بیتُ المال کی اصلاح

بیت المال تمام مسلمانوں کی ملکیت ہوتی ہے لیکن خاندان اُمیّہ کے خلفاء اسے اپنی ملکیت سمجھنے لگے تھے اور جس طرح جی چاہتا اس کے لیے مال وصول کرتے اور خرچ کرتے۔ خراج، جزیہ، ٹیکس، عشر و زکوٰۃ، مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ اور ایسی ہی تمام دوسری آمدنی بیت المال میں گڈمڈ جمع ہوتی، اس آمدنی کا الگ حساب نہیں رکھا جاتا تھا اور نہ خرچ ہی قاعدے سے ہوتا، بیت المال سے خاندانِ اُمیّہ کے لوگ سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتے۔ انھیں وظیفہ خاص کے نام سے بڑی بڑی رقمیں ملتیں۔ خلیفہ ایسے شاعروں کو بیت المال سے بڑے بڑے انعامات دیتے جو اُن کی شان میں قصیدے پڑھتے اور بے جا تعریفیں کرتے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے خلیفہ ہوتے ہی بیت المال کی آمدنی کی مدّات کے لیے الگ الگ رجسٹروں کا انتظام کیا۔ خاندان اُمیّہ کا وظیفہ خاص اور فضول گو شاعروں کی طرف سے بے توجہی برت کر ان کا منہ بند کر دیا اور بیت المال کی آمدنی اور خرچ شرع کے مطابق کر دیا۔

خلافتِ امیّہ کے اکثر خلفاء اور گورنروں کی بدعنوانیوں کی وجہ سے خراج، جزیہ اور ٹیکس کی وصول یابی میں رعایا پر ظلم ہونے لگا تھا۔ حد یہ تھی کہ نومسلموں سے بھی خراج اور جزیہ وصول کیا جاتا۔ غیر مسلم رعایا کے تہواروں پر ان سے نذرانہ کے طور پر کچھ رقم وصول کی جاتی۔ عام رعایا پر طرح طرح کے ٹیکس لگا دیئے گئے تھے۔ روپیہ ڈھالنے پر ٹیکس، چاندی پگھلانے پر ٹیکس، عرضی لکھوانے پر ٹیکس، دوکان، گھر اور پن چکیوں پر ٹیکس۔ یہاں تک کہ شادی پر بھی ٹیکس لگا دیا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے یہ سارے ٹیکس بالکل معاف کر دیے۔ غیر مسلموں سے ناجائز خراج اور نذرانہ وغیرہ لینا روک دیا۔ نومسلموں سے خراج اور جزیہ لینا ناجائز ہے۔ اس لیے اسے بند کر دیا۔

ناجائز ٹیکسوں کے معاف کر دینے اور لوگوں سے زبردستی چھینی ہوئی جائدادوں کے واپس کر دینے سے بیت المال یک دم خالی ہو گیا۔ گورنروں نے لکھا کہ خزانے میں ایک پیسہ بھی نہ رہا۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ تم خدا کو خوش رکھو، خدا تم کو خوش کرے گا۔ واقعی ایسا ہی ہوا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

جیل خانے کی اصلاح

خاندانِ اُمیہ کی خلافت کے زمانے میں لوگوں کو شبہے کی بنا پر قید یا قتل کر دیا جانے لگا تھا جو قیدی جیل خانے میں مر جاتا، حکومت اسے اپنے خرچ سے دفن نہ کرتی دوسرے قیدی چندہ کر کے کفن دفن کرتے۔ ایسا جنازہ غسل اور نماز جنازہ کے بغیر دفن کر دیا جاتا۔ قیدیوں کو خوراک اور ضروری سامان دینے میں جیلر بد دیانتی کرتے۔ قیدی مرد اور عورتیں مشترک رکھی جانے لگی تھیں۔ بیمار قیدیوں کے لیے کوئی خصوصی انتظام نہ تھا۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے خلیفہ ہو کر جیل خانے کی بھی اصلاح کی اور جو شکایت سنی اسے دور کیا۔ قیدیوں کو شرعاً جو سہولت ملنی چاہیے انھیں دی۔ مثلاً:

کسی مسلمان کو اس طرح بیڑی نہ پہنائی جائے کہ وہ نماز نہ پڑھ سکے۔ رات کے وقت قاتل کے سوا ہر قیدی کی بیڑی اتار لی جایا کرے۔ خدا ترس لوگوں کو جیلر بنایا اور انھیں حکم دیا کہ قیدیوں کے وظیفے مقرر کریں اور وظیفے ان کے ہاتھوں میں ہر ماہ دے دیا کریں۔ قیدیوں کو سردیوں میں گرم لباس دیا جائے اور عورتوں کو برقع بھی۔ قیدی مرد اور عورت الگ الگ رکھے جائیں۔ کسی کو شبہے کی بنا پر قید یا قتل نہ کیا جائے۔ قیدیوں کے مر جانے پر ان کا کفن دفن حکومت کی طرف سے ہو اور اُن کی نماز جنازہ بھی پڑھی جائے۔ قیدیوں کو بیڑیاں ہلاتے ہوئے باہر نہ نکالا جائے۔ لوگوں کو ابھارا کہ وہ قیدیوں کو صدقہ اور خیرات دیں۔

دیگر اصلاحات

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے جو اصلاحات کیں ان کی فہرست بہت لمبی ہے۔ مختصر یہ کہ ان کے خلیفہ ہونے سے پہلے لوگ تصویروں، بے کار کھیلوں، تماشوں، راگوں اور

باجوں کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ بہت سی عورتیں اپنے گھر کی میتوں پر ننگے سر اور بال کھولے ہوئے نوحہ کرتے ہوئے نکلنے لگی تھیں۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے یہ سب حکماً بند کردیا۔ لوگ طرح طرح کے حیلوں کی آڑ لے کر شراب پینے لگے تھے۔ حکم دیا کہ شراب کی دوکانیں بند کردی جائیں اور شراب کی درآمد نہ ہونے پائے۔ چوں کہ حکومت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ ایران بھی حکومت میں شامل تھا۔ ایرانیوں کے میل جول سے مسلمانوں میں بے حیائی بڑھنے لگی۔ حماموں میں مرد اور عورتیں بڑی بے باکی کے ساتھ جا جا کر غسل کرتے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے عورتوں کو حمّام میں جانے سے روک دیا اور مردوں کو حکم دیا کہ وہ تہمد باندھ کر نہائیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے خلیفہ ہونے کے وقت کچھ فوجیں مہموں پر تھیں۔ وہ رسد کی کمی کی وجہ سے پریشان تھیں۔ انھوں نے ان کے لیے رسد کا انتظام کیا۔ اور غیر ضروری فوجوں کو واپس بلا لیا۔ ہر مہم پر حکم بھیجا کہ جب تک فوج ساز و سامان اور سرمایہ وغیرہ سے لیس نہ ہو ہرگز آگے نہ بڑھے اور اسلام کی دعوت پیش کرنے سے پہلے اسلامی فوج کافر لشکر پر حملہ نہ کرے۔ اس طرح عمر بن عبد العزیزؒ کو جو عیب جہاں نظر آیا اسے دور کیا۔ یہاں تک کہ ظالم گورنروں کو ان کے عہدے سے ہٹا دیا، حالاں کہ ایسے لوگ زیادہ تر ان کے خاندان (خاندان اُمیّہ) کے ہی تھے اور ان کی جگہ خدا ترس لوگوں کو مقرر کیا اور انھیں بڑی بڑی تنخواہیں دیں تاکہ وہ روزی سے بے فکر ہو کر کام کریں۔ عہدے کے طالب کو کبھی کوئی عہدہ نہیں دیا۔ حجاج بن یوسف خاندانِ اُمیّہ کے گورنروں میں سب سے بڑھ کر خلفاء کا وفادار تھا اور اس کی وجہ سے اس حکومت کو بڑی ترقی حاصل ہوئی تھی۔ لیکن وہ ایک انتہائی ظالم حاکم تھا۔ اس کا اثر اس کے خاندان پر بھی پڑا تھا اس لیے اس کے خاندان والوں اور اس کے ملازموں کو عہدوں سے ہٹا دیا اور اس کے خاندان کو یمن کی طرف جلاوطن کر کے گورنر کو حکم دیا کہ اس ظالم کے خاندان کو منتشر کردو۔ یہ ایک جگہ رہ کر فساد سے باز نہیں آسکتے۔

معاشرے کی اصلاح

معاشرے کی اصلاح چار باتوں کی اصلاح پر منحصر ہے۔ یہ چاروں اصلاحات ایک ساتھ ضروری ہیں۔ جس معاشرے کو یہ اصلاحات بیک وقت میسر نہیں ہوتیں۔ اس کی اصلاح

میں خامی رہتی ہے اور یہ خامی معاشرے کی ترقی کے لیے بڑی رکاوٹ بنتی ہے۔ مسلمانوں کے خلیفہ پر واجب ہے کہ ان سب پر نگاہ رکھے۔ عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے معاشرے کی اصلاح کے لیے جس طرح ان چاروں باتوں کی طرف توجّہ کی اس کا ایک عکس نیچے دیا جا رہا ہے۔

(۱) فکر کی اصلاح

عمر بن عبد العزیزؒ جانتے تھے کہ جب تک لوگوں کے ذہن اسلامی سانچوں میں نہیں ڈھلیں گے اس وقت تک کسی ڈر اور لالچ کی بنا پر لوگ برائی سے بچ جائیں تو بچ جائیں۔ لیکن ڈر اور لالچ کے بغیر وہ شیطان کے پھندوں سے بچ نہیں سکتے۔ چناں چہ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے رعایا کے ذہنوں کو سنوارنا اپنی خلافت کا سب سے بڑا مقصد قرار دیا۔ اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے جو حکم جاری کیا وہ یہ ہے:

> ”ایمان کچھ فرائض، کچھ احکام، کچھ حدود[1] اور سنن[2] کا نام ہے، جس نے ان باتوں کو پورا کر لیا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا اور جس نے ان کو پورا نہ کیا، اس نے ایمان مکمل نہیں کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو ان ساری باتوں کو تمہارے سامنے بیان کروں گا تا کہ تم ان پر عمل کرو۔ اور اگر مر گیا تو تمہارے سامنے مجھے رہنے کی حرص بھی نہیں۔“

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت سے پہلے لوگ قرآن کے کھلے اور صاف حکموں کو بیان کرنے کے بدلے اس کے متشابہات یعنی ایسی باتوں کی کھوج میں لگ گئے تھے جن کا صحیح اور پورا پورا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ جیسے عرش کیا ہے؟ کرسی کیا ہے؟ تقدیر کی حقیقت، صور اسرافیل کی بناوٹ وغیرہ۔ بڑے بڑے علماء اپنی عقل کی قوتیں ایسی ہی غیب کی باتوں پر خرچ کر رہے تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے ان کو بلایا، ان سے مناظرہ کیا انھیں سمجھایا اور فرمایا کہ ”مکتب کے بچوں اور بدّوؤں کا دین[3] اختیار کرو اور اس کے سوا ہر چیز کو بھول جاؤ۔“

---

(۱) جرائم کو روکنے لیے سزائیں مقرر کرنا۔

(۲) وہ کام جنھیں بار بار کیا جائے۔

(۳) وہی قابل عمل باتیں جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ یعنی وہ فرائض، احکام، حدود اور سُنن۔

اکثر فرمایا کرتے : ’’جب کوئی قوم محکمات[۱] کو چھوڑ کر متشابہات بیان کرنے لگتی ہے تو سمجھو کہ وہ گم راہی کی بنیاد ڈالتی ہے۔‘‘

جس طرح آج کل اخبار اور رسالے لوگوں کے خیالات اور ذہن کے بنانے میں کافی حصّہ لیتے ہیں، اسی طرح اس وقت لوگوں کا ذہن بنانے والے اور خیالات کو پھیلانے والے وہ علماء کرام تھے جن کو حدیث کا علم تھا اور جو یہ سمجھتے تھے کہ قرآن وحدیث کی باتوں پر کس طرح عمل کیا جائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ایسے عالموں کو جگہ جگہ مقرر فرمایا۔ اور انھیں تاکید کردی کہ دین کی بنیادی اور ضروری باتیں لوگوں کے ذہنوں میں شعوری طور سے بٹھا دیں۔ اس وقت کے ایک بڑے امام مکحول کو حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے ٹوکا اور فرمایا کہ:

’’عوام کے سامنے تقدیر کا مسئلہ ہرگز نہ چھیڑو، اور وہ نہ کہو جو غیلان اور اس کے پیروی کرنے والے کہتے ہیں۔‘‘

غیلان ایک عالم تھا، اسے مسئلہ تقدیر کے بھید اور راز جاننے سے بڑی دل چسپی تھی۔ وہ جہاں بیٹھتا تقدیر کا مسئلہ چھیڑ دیتا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اسے بلایا۔ اسے ایسی باتیں کرنے سے توبہ کرائی اور اس کی پھیلائی ہوئی باتوں کو مٹانے کے لیے علماء پھیلا دیے۔ وعظ و تقریر کرنے والے علماء کے لیے حکم تھا کہ تیسرے دن وعظ کہا کریں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بہت بڑا کام اور کیا، قرآن کریم کے بعد اسلام کے احکام، اسلام کی تعلیم اور اسلام کے اخلاق کی تفصیل حدیثوں میں پائی جاتی ہے۔ ان کے زمانے میں حدیثیں تابعین[۲] کے سینوں اور زبانوں پر تھیں۔ ان میں کوئی کتاب ترتیب نہیں پائی تھی۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیز خود بہت بڑے تابعی اور عالم تھے دیکھا کہ ایسے لوگ روز بروز کم ہوتے جا رہے ہیں۔ اس اندیشے نے اُن کو حدیثیں جمع کرنے کی طرف متوجہ کیا۔ انہوں نے گورنروں کو لکھا:

---

(۱) قرآن کی وہ آیتیں جن کا مطلب صاف اور کھلا ہوا ہو، اور جن کا ایک ہی مطلب نکل سکے۔

(۲) وہ لوگ جنھوں نے صحابۂ کرام کو دیکھا اور ان سے دین سیکھا تھا۔

''نبی کریم ﷺ کی حدیثوں کی تلاش کرو، اُن کو لو، مجھ کو علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہونے کا ڈر ہے، اور صرف رسولِ خدا ﷺ کی حدیث قبول کی جائے۔''

صوبوں کے گورنروں نے بڑی محنت کے ساتھ اس حکم کو پورا کیا۔ جو حدیث جہاں مل سکی، لکھوا کر خلیفہ کے پاس روانہ کی۔ خلیفہ کے یہاں سے ان کے مجموعے بنا بنا کر ملک بھر میں پھیلا دیے گئے اس وقت کے ایک بہت بڑے عالم سعد بن ابراہیم کہتے ہیں:

''ہم کو عمر بن عبد العزیزؒ نے حدیثوں کے جمع کرنے کا حکم دیا، اور ہم نے دفتر کی دفتر حدیثیں لکھیں اور انھوں نے ان کا ایک ایک مجموعہ جہاں جہاں ان کی حکومت تھی بھجوا دیا۔''

(۲) علم کی اشاعت

معاشرے کی اصلاح کے لیے علماء کے وعظ اور تقریروں اور کتابوں کے بعد ضروری ہے کہ علم دین، مکتبوں اور مدرسوں کے ذریعے گھر گھر پہنچا دیا جائے۔ چناں چہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے جگہ جگہ حکم بھیجا کہ:

قرآن و حدیث کے درس کے لیے اجتماعات منعقد کیے جائیں اور عوم کو اُن میں بُلایا جائے۔ علماء مسجدوں میں با قاعدہ لوگوں کو تعلیم دیں۔ جو لوگ اپنا کل وقت لوگوں کو تعلیم دینے کے لیے دیں ان کو بیت المال سے سو دینار ماہانہ دیے جائیں۔ ایسے علماء کو معاش سے بالکل فارغ کر دیا جائے اور اُن کی ہر ضرورت کو پورا کیا جائے۔ طالب علموں کو وظیفے دیے جائیں۔

ان حکموں پر خلیفہ نے بڑی سختی سے عمل کیا اور گورنروں سے کرایا۔ اللہ تعالیٰ نے خلیفہ کو بڑی توفیق عطا فرمائی تھی۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے علماء کی ٹریننگ (تربیت) کا بھی انتظام کیا۔ اللہ کے فضل سے اس وقت عبد اللہ بن عمرؓ کے غلام اور بہترین شاگرد حضرت نافعؒ زندہ تھے۔ انھیں اس کام پر لگایا اور اس کام کے لیے مصر وغیرہ روانہ کیا۔

صحابۂ کرامؓ کی سیرت اور ان کے جہاد کے حالات ترتیب دینے کی طرف ابھی تک کسی خلیفہ نے توجّہ نہیں کی تھی۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے اس کام کے لیے اس وقت کے سب سے

بڑے ایک[1] عالم کو دمشق کی مسجد میں بٹھایا کہ وہ باقاعدہ لوگوں کو سنائیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسی کتابوں سے بھی مسلمان علماء کو فائدہ اٹھانے کا موقع دیا جو غیر مسلموں نے لکھی تھیں[2] اور وہ مسلمانوں کے لیے مفید ہو سکتی تھیں۔

(۳) اچھی صحبتیں

تربیت اور اصلاح کے لیے نیک لوگوں کی صحبت میں بیٹھنا بھی بے حد مفید ہوتا ہے۔ نیک لوگوں کا عمل اور نمونہ، ایک عمدہ تقریر اور بہترین کتاب سے بڑھ کر ہوتا ہے، اور اس کا اثر تقریر و کتاب سے بہت زیادہ لوگوں کے دلوں پر پڑتا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ اپنے پاس بھی ایسے نیک لوگوں کو جمع رکھتے، خود ان کی خدمت میں جاتے اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے کہ اللہ کے نیک بندوں کی صحبت میں بیٹھا کریں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب خلیفہ ہوئے تو دستور کے مطابق شاعروں نے قصیدے لکھے، ان کو آکر سنایا اور انعام کے طالب ہوئے تو فرمایا کہ اللہ کے بجٹ میں کوئی ایسی مد نہیں کہ فضول گو شاعروں کے دینے کے لیے گنجائش نکل سکے۔

ایک لطیفہ

ایک بار کچھ شاعر آئے۔ خلیفہ کی تعریف میں قصیدے پڑھے۔ خلیفہ نے کچھ نہیں دیا۔ انھوں نے لوگوں سے وجہ معلوم کی تو بڑے پریشان ہوئے۔ سب نے مل کر عرضی دی کہ ہم ابن السبیل (مسافر) بھی ہیں۔ یہ عرضی پا کر عمر بن عبد العزیزؒ مسکرا دیے اور پچاس پچاس دینار دلوا دیے۔

خلیفہ ہونے سے پہلے خود رنگین مزاج تھے۔ خلیفہ ہوئے تو ایسے یار اور دوست دل میں بڑی بڑی امیدیں لے کر آئے، لیکن اب انھیں پوچھا تک نہ گیا اور کہلوا دیا کہ جس طرح ہم نے رنگین کپڑے چھوڑے اسی طرح رنگین مزاج یاروں کو بھی چھوڑا۔

شعرا کے بدلے حضرت میمون بن مہرانؒ، حضرت رجاء بن حیوۃؒ اور حضرت رباح بن عبیدۃؒ جیسے عالم باعمل لوگوں کو بلاتے، ان کو آزادی کے ساتھ نصیحت کرنے کی اجازت دیتے۔

---

(۱) حضرت عاصم بن عمر قتادہ رحمۃ اللہ علیہ

(۲) خاص کر یونانی

اوران سے تمنا کرتے کہ:

انصاف کرنے میں میری رہ نمائی کریں۔

نیکی کے کاموں میں مدد دیں۔

حاجت مندوں کی حاجتیں مجھ تک پہنچائیں۔

میرے سامنے کسی کی غیبت نہ کریں۔

امانتیں ادا کریں۔

جو بزرگ دور مقامات پر رہتے ان کو سلام کہلوا بھیجتے، ان کو خط لکھتے اور نصیحتوں کے طالب ہوتے۔ بصرہ کے ایک حاکم نے خلیفہ سے کچھ ہدایات مانگیں۔ حکم ہوا۔ حسن بصریؒ سے ہدایات لو، ان سے مشورہ لینا کافی ہے۔

حضرت سعید بن مسیّبؒ نہایت متقی اور اللہ پر توکل کرنے والے بزرگ تھے۔ ان سے اکثر مشورہ لیتے ایک بار ایک شخص کو بھیجا کہ فلاں بات پوچھ کر آئے۔ وہ جا کر بلا لایا۔ خلیفہ نے حضرت سعید بن مسیّبؒ کو آتے دیکھا تو معذرت کی کہ آدمی غلطی سے آپ کو بلا لایا۔

علاّمہ بسر بن سعیدؒ کا انتقال ہوا تو انھوں نے کفن کا سامان بھی نہ چھوڑا اسی زمانے میں عبدالملک کے ایک بیٹے کا انتقال ہوا تو اس نے لاکھوں کی رقم چھوڑی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کو دونوں کی موت کا حال معلوم ہوا تو علاّمہ بسر بن سعیدؒ کی تعریف اور ان کے لیے دعا کی۔ اس پر عبدالملک کے ایک دوسرے بیٹے نے شکایت کی تو فرمایا:

''یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم نیک لوگوں کا تذکرہ نہ کریں۔''

اس طرح بزرگوں کی عزّت کرتے اور دوسروں سے کہتے کہ ان کی صحبت میں بیٹھا کریں۔

(۴) خلافت کو زندہ کرنا

بڑے بڑے خطیب وعظ اور تقریریں کریں علماء اچھی اچھی کتابیں لکھ کر ڈھیر کردیں۔ اور بزرگانِ دین اپنی صحبتوں کے حلقے بھی قائم کریں۔ لیکن اگر خلیفہ اس مزاج کا نہ ہو تو معاشرہ

سنورتا نہیں۔ انفرادی طور پر کہیں کہیں کوئی شخص صالح تو ہو سکتا ہے لیکن معاشرہ بگڑتا جاتا ہے۔ ہم اوپر "الناس علی دین ملوکھم" کے بارے میں لکھ چکے ہیں۔ اس میں معلوم ہوتا ہے کہ اگر صالح اور نیک لوگوں کا اقتدار نہیں ہوتا تو وہ اثر نہیں پڑتا، جو مطلوب ہے۔ اور جو معاشرے کے لیے مجموعی طور پر مفید ہوتا ہے۔ لیکن اگر خلیفہ خود متقی ہو، دربارِ خلافت سے ایسے احکام جاری کیے جائیں، تو پورا معاشرہ سنور جاتا ہے۔ لہٰذا اگر صالح خلافت قائم ہو تو اسے برقرار رکھنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ اور خلافت مردہ ہو رہی ہو تو اسے زندہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس سلسلے میں جو کچھ کیا اس کا مختصر حال شروع میں لکھا جا چکا۔ اب ایک بات اور انھیں بے چین رکھتی تھی۔ وہ چاہتے تھے کوئی صورت ایسی نکل آئے کہ خلافت کو خاندانِ اُمیہ کے قبضے سے نکال کر مسلمانوں کے ہاتھ میں دے دیں۔ وہ اپنی اس بے چینی کا اظہار کبھی کبھی زبان سے بھی کر دیتے تھے۔ چناں چہ ایک بار ایک گورنر کو کچھ ہدایات لکھ بھیجیں تو ان میں یہ بھی لکھا ہوا موجود تھا کہ "میری رائے ہے خلافت نبوت اور خلافت راشدہ کے زمانے کی طرف واپس لاؤں۔"

ایک بار اپنے ننھیالی رشتہ دار حضرت سالم بن عبد اللہؒ کو خط لکھا۔ اس خط کے الفاظ یہ ہیں:

> "میں چاہتا ہوں کہ رعایا کے معاملے میں حضرت عمر بن خطابؓ کا طریقہ اختیار کروں۔ اگر یہ خدا کو منظور ہو اور مجھ میں اتنی قدرت ہو۔ آپ میرے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تحریریں اور ان کے فیصلے بھیج دیجیے جو انھوں نے مسلمانوں اور ذمیوں کے لیے کیے ہیں۔ اگر اللہ نے چاہا تو میں وہی کروں گا جیسا انھوں نے کیا۔"

ایک بار جب ان کے خاندان والوں نے کچھ رعایتیں چاہیں اور ان پر اصرار کیا تو کہہ دیا کہ اگر تم نے اس طرح کی باتیں پھر کیں اور میرے گرد مجمع کیا تو مدینہ چلا جاؤں گا۔ خلافت کو تمام مسلمانوں کے حوالے کر دوں گا۔ اور اس وقت خلافت کا جو شخص اہل ہے وہ میری نظر میں بھی ہے، ان کا نام مجھے یاد ہے۔ یعنی قاسم بن محمد بن ابوبکر صدیقؒ۔

باب چہارم

خلیفہ کا اپنا کردار

عبادت

دن کو خلافت کے کاموں سے جو وقت ملتا یادِ خدا میں گزارتے۔ راتوں کو پچھلے پہر خاص طور پر عبادت الٰہی میں مصروف رہتے۔ اس کے لیے ایک حجرہ خاص تھا۔ اس حجرے میں ایک بکس تھا۔ اس بکس میں کمبل کے سلے ہوئے کپڑے تھے۔ وہ کپڑے پہن لیتے اور صبح تک یادالٰہی کرتے رہتے۔ صبح کو وہ کپڑے اتار کر بکس میں رکھ دیتے۔ فجر کی نماز کے بعد کچھ دیر کے لیے پھر اسی حجرے میں جاتے۔ اس حجرے میں دوسرا شخص نہیں جا سکتا تھا۔

لطیفہ

مرنے سے پہلے آپ نے صندوق اپنے غلام کو دیا تھا اور وصیت کی تھی کہ اسے دریا میں بہادے۔ لیکن خاندانِ اُمیّہ کو پتا لگ گیا۔ انہوں نے غلام سے صندوق چھین لیا۔ مال اور دولت کے لالچ میں صندوق کو کھولا تو اس میں کمبل کے کپڑے دیکھے۔

نماز

پانچوں وقت کی نماز پابندی سے ادا کرتے۔ مؤذن کو اگر اذان دینے میں دیر ہوتی تو کہلوادیتے کہ اذان کا وقت ہو گیا۔ اذان کے ساتھ ہی کام چھوڑ دیتے اور مسجد جا پہنچتے۔ جمعہ کا بڑا احترام کرتے۔ جمعہ اور عیدین کی نماز کے لیے پیدل جاتے اور دوسروں کو یہی حکم دیتے۔ نماز میں بالکل رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ان کو نماز پڑھتے

دیکھتے تو کہتے کہ میں نے عمر بن عبد العزیز سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مثل نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔

زکوٰۃ

خلافت سے پہلے جو مال تھا وہ تو سب خدا کی راہ میں دے دیا تھا، یا بیت المال میں جمع کر دیا تھا، لیکن پھر بھی رقم جمع ہو جاتی تو ادائے زکوٰۃ کا اہتمام کرتے تھے۔

روزہ

ہر دوشنبہ اور جمعرات کو روزہ رکھتے۔

تلاوت

صبح سویرے بلا ناغہ کلام پاک کی تلاوت کرتے۔ رات کو سوتے وقت رو رو کر قرآن کی آیتیں پڑھا کرتے۔ کوئی خوف کی آیت پڑھتے تو استغفار پڑھتے اور رحمت کی آیت پر دعا کرتے۔ ایک رات ایک ہی سورہ رات بھر پڑھتے۔ ایک رات سورۂ انفال صبح تک تلاوت کرتے رہے۔ آیات میں قیامت کا ذکر آتا تو بے اختیار رونے لگتے اور کبھی کبھی بے ہوش ہو جاتے۔ راتوں کو قرآن پڑھتے پڑھتے سو جاتے جاگتے تو پھر پڑھنے لگتے اور اس طرح ساری رات سوتے اور جاگتے رہتے۔

موت کا خیال بات بات میں رہتا۔ کہا کرتے کہ لوگو! ایک ایسا گھر دیکھو جس میں کیڑے رینگ رہے ہوں گے، پیپ بہہ رہی ہوگی اور کیڑے مکوڑے اس میں تیر رہے ہوں گے۔

یہ کہہ کر روتے۔ روتے ہچکیاں بندھ جاتیں اور بے ہوش ہو جاتے۔ کسی بزرگ کو خط لکھتے اور نصیحت طلب کرتے کہ فوراً جواب دیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ موت آدبوچے۔

آخرت کا ڈر

سارے کام دل میں آخرت کا ڈر لیے ہوئے کرتے۔ ایک مرتبہ باتوں باتوں میں بیوی فاطمہ کو خلیفہ ہونے سے پہلے ٹھاٹ کا حال سنانے لگے۔ انھوں نے جواب دیا۔ ”آج تو

ماشاء اللہ آپ اس وقت سے زیادہ با اختیار ہیں اور خلافت آپ کے ہاتھ میں ہے۔'' بیوی سے یہ سن کر فرمایا۔'' اے فاطمہ! اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ فاطمہ یہ سن کر رو پڑیں اور دعا کی کہ اے اللہ! ان کو دوزخ سے نجات دے۔

قیامت کا ذکر آتا تو چیخ اٹھتے، اٹھ کر گھر بھر میں پھرنے لگتے اور زبان سے کہتے جاتے۔'' افسوس اس دن پر جس میں لوگ بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح اور پہاڑ دُھنکے ہوئے اُون کی طرح ہوں گے۔

عذاب الٰہی سے ہر وقت لرزتے رہتے۔ یہاں تک تیز ہوا چلتی تو چہرے کا رنگ سیاہ ہو جاتا۔ اگر کوئی وجہ پوچھتا تو کہتے کہ ہوا ہی نے قوموں کو تباہ کیا۔

محبتِ رسولؐ

رسولِ کریم ﷺ کی محبت اگر کسی مومن کے دل میں نہ ہو، اور یہ محبت اس کے عمل و کردار سے ظاہر نہ ہوتی ہو تو اس کے ایمان کا اعتبار نہیں۔ پھر ایسی محبت زبانی بھی معتبر نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ آپؐ پر اور آپ کے حکموں پر اپنی ذات، اپنے خاندان اور اپنے مال و دولت کو قربان کر دے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کو رسولِ کریم ﷺ سے جو محبت تھی اس کا اثر ان کی زندگی پر اتنا گہرا پڑا تھا کہ ہر کام اسی طرح کرنے کی کوشش کرتے تھے جیسے حضورؐ نے کیا۔ خاندان رسولؐ سے متعلّق حضرات سے نبی کریم ﷺ کی زندگی کے حالات دریافت کیا کرتے اگر کوئی شخص رسول کی شان میں بھول کر بھی گستاخی کرتا تو بے حد خفا ہوتے۔

ایک نومسلم سے کسی نے کہا۔'' تیرا باپ کافر تھا۔'' اس نے جواب دیا۔'' تو اس میں مجھ پر کیا حرف آتا ہے؟ نبی کریمؐ کے والد بھی تو کافر تھے۔'' عمر بن عبدالعزیزؒ نے سنا تو بہت برہم ہوئے فرمایا۔ تو نے رسول کریم ﷺ کو سب کے برابر کر دیا۔ ہمارے یہاں تیرا کام نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کا تقاضا ہے کہ آپؐ کے خاندان والوں سے بھی محبت کی جائے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خاندانِ رسولؐ سے انتہائی محبت کرتے تھے۔

ایک بار ان کے گھر حضرت علیؓ کے گھرانے کی ایک بی بی آئیں تو ان سے کہا۔'' دنیا

بھر میں مجھ کو تمہارے خاندان سے زیادہ کوئی عزیز نہیں۔ تم خود میرے خاندان والوں سے زیادہ عزیز ہو۔''

حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان آپس میں بدمزگی ہوگئی تھی اور وہ آخر تک باقی رہی تھی۔ اس بدمزگی میں ایک دوسرے کو توہین آمیز لفظوں سے یاد کرتے۔ یہ سلسلہ آگے چل کر حضرت علیؓ اور ان کے خاندان میں بند ہوگیا۔ مگر خاندانِ اُمیّہ میں جاری تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایسے الفاظ استعمال کرنے سے جن سے حضرت علیؓ کی شان میں گستاخی ہوتی تھی، اپنے خاندان والوں کو روک دیا۔ خود جب حضرت علیؓ کا ذکر کرتے تو ان کی بڑائی کے واقعات بیان کرتے۔

ایک بار حضرت علیؓ کا آزاد کیا ہوا ایک غلام خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں مدینے کا رہنے والا ہوں۔ قرآن مجید اور فرائض کا حافظ ہوں، مگر بیت المال کے رجسٹر میں میرا نام نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پوچھا۔ کس خاندان سے تعلّق رکھتے ہو؟ اس نے اپنا تعارف کرایا تو آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا۔ میں خود علیؓ کا غلام ہوں رسولِ خدا ﷺ نے فرمایا ہے کہ ''میں جس کا مولیٰ ہوں، علیؓ بھی اس کے مولیٰ ہیں۔'' یہ کہہ کر اپنے غلام حضرت مزاحم سے پوچھا۔ اس قسم کے لوگوں کو بیت المال سے کیا دیا جاتا ہے؟ انھوں نے بتایا۔ سو اور دو سو درہم۔'' فرمایا۔ چوں کہ علیؓ اس کے ولی تھے اس لیے پچاس دینار دو۔''

حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کو جیسی محبت تھی سب جانتے ہیں۔ ایک بار ان کی بیٹی تشریف لائیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خود استقبال کے لیے اٹھے۔ آگے بڑھ کر بڑے اعزاز کے ساتھ لائے۔ اپنی جگہ پر بٹھایا۔ حال پوچھا اور جو ضرورت انھوں نے بیان کی، اسے پورا کیا۔

خاندانِ رسول کا اعزاز بڑھانے میں اپنے خاندان والوں کی خفگی کی پروا نہیں کرتے تھے۔ ایک بار بہت سے لوگ ملنے کے لیے آئے۔ ان میں اپنے خاندان کے بڑے بڑے لوگ بھی تھے۔ لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے غلام کو سب سے پہلے ملاقات کے لیے بلایا اس پر خاندان والوں نے جل کر کہا۔

''عمر بن عبدالعزیز کو سب کچھ کر کے اب بھی تسلّی نہیں ہوئی اب تو ابن عباسؓ کے غلام اتنے بڑھ گئے ہیں کہ ہماری گردنیں پھاند کر جاتے ہیں۔''

دیارِ رسولؐ یعنی شہر مدینہ سے بے حد محبت کرتے۔ حرم مدینہ کے حُدود میں درخت یا گھاس کاٹنے کو منع کر دیا تھا۔ مدینے کی گورنری سے استعفادے کر جب شام کو چلے تو مڑ مڑ کر جوار مدینہ کو دیکھتے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔

حلم اور بُردباری

اپنے متعلّق نامناسب الفاظ سن کر خوشی خوشی برداشت کر لینے کو حلم اور بُردباری کہتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں یہ صفت بڑی حد تک موجود تھی۔

ایک بار ان کے ایک گورنر عبدالحمید بن عبدالرحمٰن نے لکھا کہ میرے سامنے ایک ایسا مجرم پیش کیا گیا جو آپ کو گالیاں دیتا ہے۔ میں نے پہلے چاہا کہ اسے قتل کر دوں لیکن پھر سوچا کہ آپ کی رائے لے لوں۔ چناں چہ آپ کا حکم آنے تک اسے قید کر دیا ہے۔ خلیفہ نے جواب لکھ بھیجا۔

''اگر تم اسے قتل کر دیتے تو میں تم سے قصاص[1] لیتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور کو گالی دینے پر قتل کرنا جائز نہیں اس لیے اگر تمہارا جی چاہے تو اس کو گالی دے لو، ورنہ چھوڑ دو۔''

ایک بار ممبر پر خطبہ دے رہے تھے اسی حالت میں ایک شخص نے کہا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ تم فاسق ہو۔'' فرمایا۔ ''تم جھوٹے گواہ ہو میں تمہاری گواہی نہیں مانتا۔'' اس کے سوا اس سے کچھ نہ کہا۔

ایک بار ایک شخص نے برا بھلا کہا۔ وہ چپ بیٹھے سنتے رہے۔ لوگ بولے۔ ''آپ چپ کیوں ہیں؟'' جواب دیا۔ ''تقویٰ نے منہ پر لگام لگا دی ہے۔''

ایک بار رات کو مسجد میں گئے۔ مسجد میں ایک شخص سو رہا تھا، اندھیرے میں اسے ٹھوکر لگ گئی۔ وہ جھلّا کر بولا۔ ''کیا پاگل ہو؟'' بولے۔ ''نہیں۔'' چپراسی نے چاہا کہ اس شخص کو سزا

---

(۱) جان کا بدلہ۔ یعنی تم کو بھی قتل کیا جاتا۔

دے، لیکن منع کیا اور سمجھایا۔ ''بھائی؟ اس نے تو مجھ سے پوچھا تھا کہ ''کیا تم پاگل ہو؟'' میں نے جواب دے دیا کہ نہیں، چلو قصہ ختم۔

ایک بار ایک شخص نے ایسی بات کہی کہ عمر بن عبدالعزیزؒ بلبلا کر رہ گئے۔ اس سے کہا۔ ''تو چاہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ایسا سلوک کروں کہ کل قیامت میں پکڑا جاؤں، مگر میں ایسا نہیں کروں گا۔''

ایک بار ایک شخص نے کاغذ کا ایک پلندہ ان کی طرف پھینکا پلندہ منہ پر پڑا، چوٹ لگی اور گالوں سے خون بہنے لگا۔ لیکن ضبط کیا پلندہ کھولا، اس کی عرضی نکال کر پڑھی اور اس کی ضرورت پوری کر دی۔

ایک بار ایک بچے نے اُن کے ایک بچے کو مارا۔ لوگ اسے پکڑ کر ان کی بیوی فاطمہ کے پاس لے گئے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے شور وغل سنا تو گھر گئے۔ اتنے میں اس بچے کی ماں آئی اور بولی۔ ''یہ بچہ میرا ہے اور اس کا باپ مر چکا ہے۔'' خلیفہ نے پوچھا۔ ''اس کو وظیفہ ملتا ہے؟ بولی ''نہیں۔'' حکم دیا کہ اس بچے کے نام وظیفہ جاری کیا جائے۔ اس موقع پر بیوی نے ٹوکا۔ ''اس شرط کے ساتھ کہ میرے بچے کو پھر نہ مارے۔'' فرمایا ''فاطمہ! تم نے تو اسے گھبرا دیا۔

ایک بار ایک شخص نے گستاخی کی۔ انھیں غصّہ آگیا۔ حکم دیا کہ اسے ننگا کر کے کوڑے مارو۔ لیکن جب کوڑے لگانے کا وقت آیا تو دوسرا حکم دیا۔ ''اسے چھوڑ دو۔ میں نے پہلا حکم غصے میں دیا تھا۔

صبر

بڑی سے بڑی مصیبت پر اکثر انسان کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جاتا ہے اور وہ حالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ایسے موقعوں پر بھی بڑے صبر سے کام لیتے تھے۔ ہم صرف ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ ویسے ان میں اس خوبی کے بارے میں بہت سے واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔

ان کے ایک صاحب زادے تھے عبدالملک —— عبدالملک سیرت و کردار میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مثل تھے۔ انتہائی ذہین اور سمجھ دار تھے۔ بروقت باپ کو دین کی باتیں یاد دلاتے

اور خلافت میں ان کا ہاتھ بٹاتے اور نیک مشورے دیتے۔ ان باتوں سے وہ بڑے محبوب تھے۔ ایک بھائی تھے سہل بن عبد العزیز، اپنی خوبیوں کی وجہ سے وہ بھی بے حد عزیز تھے۔ تیسرے ان کے غلام حضرت مزاحم تھے جو گویا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہاتھ پیر تھے۔ یہ تینوں پیارے چند دنوں کے اندر ہی اللہ کے پیارے ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ○

لوگوں کا خیال تھا کہ عمر بن عبد العزیزؒ کے لیے یہ صدمے ضرور نا قابل برداشت ہوں گے اور وہ روئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ لیکن ان کا صبر دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔

وہ اپنے عزیز بیٹے کی میت کو دفن کر رہے تھے کہ ایک شخص نے بائیں ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا۔ ”اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو صبر دے۔“ امیر المومنین عمر بن عبد العزیز نے دیکھا۔ بولے۔ ”بائیں ہاتھ سے اشارہ مت کرو، داہنے کو کام میں لاؤ۔ اشارہ کرنے والا شخص پکار اٹھا:

> ”خدا کی قسم! میں نے آج سے زیادہ تعجب انگیز واقعہ نہیں دیکھا۔ ایک شخص اپنے پیارے بیٹے کی میت دفن کر رہا ہے، اور اس حال میں بھی اسے دائیں بائیں کا ہوش ہے۔“

لوگ تعزیت کو آتے اور ایسے فقرے استعمال کرتے کہ لوگ رو پڑتے لیکن عمر بن عبد العزیزؒ صبر اور شکر کے کلمات کہتے۔

ایک دن حضرت ربیع بن سبرہؒ تشریف لائے اور کہا۔ ”اللہ تعالیٰ آپ کو بہت زیادہ اجر عطا فرمائے۔ آپ نے چند ہی دنوں میں تین صدمے اٹھائے۔ خدا کی قسم! میں نے آپ کے بیٹے عبد الملک، آپ کے بھائی سہل اور آپ کے غلام مزاحم سے بڑھ کر کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی اور کسی کا غلام نہیں دیکھا۔“

یہ سن کر حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے گردن جھکا لی۔ پاس بیٹھے ہوئے ایک شخص نے حضرت ربیع سے کہا۔ ”تم نے امیر المومنین کو بے قرار کر دیا۔“ یہ سن کر امیر المومنین نے گردن اٹھائی اور بولے۔ ”قسم ہے اس ذات کی جس نے ان کی موت کا فیصلہ کیا۔ میں نے یہ فیصلہ پسند کیا۔“ اس کے بعد ایک نہایت مؤثر خطبہ دیا اور مرحوم بیٹے بھائی اور غلام کی خوبیاں بیان کیں۔ پھر حکم جاری کر دیا کہ ملک میں نوحہ کہیں نہ کیا جائے۔

دیانت

بیت المال پر پورا قبضہ ہو اور خلافت ہاتھ میں اور پھر خلیفہ فقیروں کی سی زندگی گزارے۔ یہ بات خلافتِ راشدہ کے علاوہ کہیں اور نظر آتی ہے تو عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت میں۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ اور خلفائے راشدین کے علاوہ سارے خلیفہ بیت المال کو اپنی ذات پر خرچ کرنے سے بچ نہ سکے۔ بچ ہی نہ سکے بلکہ اس سے اپنی ذات کے لیے بڑے ٹھاٹ جمائے۔ لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ کا کردار کیسا رہا۔ بہت سے واقعات میں سے چند نقل کیے جاتے ہیں اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

رات کو خلافت کا کام کرتے تو بیت المال کی شمع جلاتے۔ لیکن جب اپنا کام کرنے لگتے تو اسے گُل کر دیتے اور گھر کا چراغ جلاتے اور یہ اس لیے کرتے کہ آخرت میں پکڑ نہ ہو۔

ان کے پرائیوٹ سکریٹری فراط بن مسلم جو خود متقی آدمی تھے۔ ہر جمعہ کو سرکاری کاغذات پیش کیا کرتے تھے۔ ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کے سرکاری بستے سے کاغذات کا ایک سادہ ٹکڑا نکال لیا اور کام میں لے آئے۔ فرات نے دل میں کہا کہ امیر المومنین سے چوک ہوگئی۔ دوسرے جمعہ کو آئے تو عمر بن عبدالعزیزؒ نے انہیں کسی کام سے باہر بھیج دیا اور کاغذ کا اتنا ہی بڑا ٹکڑا ان کے بستے میں رکھ دیا۔ فرات نے آکر دیکھا تو امیر المومنین کے لیے دعا کی۔

ایک بار حضرت مزاحم سے کہا۔ ''ایک رحل بنواؤ مزاحم نے رحل بنوادی۔ رحل پسند کی۔ پھر پوچھا'' کہاں سے لائے؟ بولے۔ ''لکڑی بیت المال میں بے کار پڑی سڑ رہی تھی اسی کی بنوالی۔'' فرمایا۔ اچھا اس کی قیمت بازار سے پوچھ کے آؤ۔'' بازار میں نصف دینار قیمت بتائی گئی۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک دینار بیت المال میں جمع کر دیا۔

ایک بار سرکاری سیب غریبوں کو بانٹ رہے تھے۔ اتنے میں ان کا ایک چھوٹا بچہ آگیا۔ اس نے ایک سیب اٹھالیا۔ انھوں نے سیب اس کے ہاتھ سے چھین لیا، اور ڈھیر میں ڈال دیا۔ بچہ روتا ہوا گھر گیا۔ ماں نے بازار سے سیب منگوا دیا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ جب گھر گئے تو بچے کو سیب کھاتے دیکھا۔ کھٹکے۔ پوچھا۔ یہ سیب کیسا؟ بیوی نے بتایا کہ بازار سے منگوا دیا۔ خوش ہو کر فرمایا: ''تم بہت اچھی ماں ہو۔'' میں نے سیب بچے سے چھینا تو سمجھو کہ اپنے دل سے چھینا، مگر میں پسند نہیں کرتا کہ خدا کے سامنے مسلمانوں کے سیب کے لیے اپنے آپ کو برباد کر دوں۔''

ایک بار ان کی بیوی نے ایک موتی بھیجا اور درخواست کی کہ بیت المال سے اس کا جوڑا بھیج دیجیے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے آگ کی دو چنگاریاں بھیج دیں کہ انھیں پہن لو تو موتی بھیج دوں۔'' یہ ایک طرح کا اشارہ ہے خیانت کی طرف، کہ اگر اپنی اولاد کے لیے بیت المال میں خیانت کی تو آخرت میں ایسے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

شرم وحیا اور وقار

مزاج میں بڑی حیا تھی۔ حمام میں جاتے تو بچوں اور غلاموں کے سوا سب کو حمام سے نکلوا دیتے۔ کوئی زور سے باتیں کرتا تو فرماتے۔ ''بس اتنا کافی ہے کہ آدمی بات سن لے۔'' بدن کے جن حصوں کے نام لینے سے شرم آتی ہے ان کا نام بھی نہ لیتے۔ یہاں تک کہ بغل کا نام بھی نہ لیتے۔

ایک لطیفہ

ایک بار بغل میں پھوڑا نکلا۔ لوگوں نے پوچھا۔ کہاں پھوڑا نکلا ہے؟ فرمایا۔ ''ہاتھ کے نیچے۔''

دوسرا لطیفہ

ایک صحبت میں ایک شخص نے دوسرے شخص سے بات کے سلسلے میں یہ فقرہ استعمال کیا۔ ''تیری بغل کے نیچے۔'' سن کر فرمایا۔ ''اس سے بہتر طریقے سے بات کیوں نہیں کرتے؟ وہ شخص بڑا فصیح تھا۔ تعجب کر کے بولا۔ ''کیسے؟'' فرمایا: ''کہتے ہاتھ کے نیچے۔

رحم دلی

اللہ تعالیٰ نے عمر بن عبدالعزیزؒ کو بڑا رحم دل بنایا تھا۔ کوئی اپنی ضرورت عرض کرتے وقت دردناک الفاظ استعمال کرتا تو رو پڑتے۔ جانوروں تک کو تکلیف میں دیکھتے تو ضبط نہ ہوتا۔ ان کے پاس ایک خچر تھا۔ غلام اس خچر کو کرایہ پر چلاتا اور روز ایک درہم لا کر دیتا۔ ایک دن ڈیڑھ درہم لا کر دیا تو فرمایا۔ ''آج تم نے اس سے زیادہ کام لیا، اس لیے اسے تین دن آرام دو۔''

ڈاک کے جانوروں کے متعلق اُن کا حکم تھا کہ ''انھیں تیز تو لے جایا جائے مگر لگام نہ لگائی جائے، اور کوڑے میں چبھنے والا نوک دار لوہا نہ لگایا جائے۔'' مصر کے گورنر کو لکھا کہ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ اونٹوں پر ہزار رطل کا بوجھ لادا جاتا ہے۔ خبر دار! اب مجھے خبر نہ ملے کہ اونٹوں پر سو رطل سے زیادہ بوجھ لادا گیا۔''

نصیحت پذیری

دوسروں سے نصیحت حاصل کرنا بڑی سعادت کی بات ہے۔ لیکن سعادت برے آدمیوں کو بُری لگتی ہے۔ پھر بادشاہوں کا دوسروں سے نصیحت حاصل کرنا تو درکنار اگر نصیحت کرنے والے کی جان ہی سلامت رہ جائے تو بہت غنیمت ہے۔ لیکن یہ خوبی بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ میں بہت پائی جاتی تھی۔ اسی غرض کے لیے وہ متقی اور بزرگ علماء کو اپنے پاس بلاتے، کبھی خود ان کی خدمت میں جاتے۔ امام حسن بصریؒ، سعید بن میسّبؒ، سالم بن عبداللہؒ، محمد بن کعبؒ اور ایسے ہی دوسرے لوگوں سے ربط ضبط بہت زیادہ تھا، اور یہ بزرگ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کو نہایت آزادی اور خوشی کے ساتھ نصیحتیں کیا کرتے تھے۔

ایک بار عراق کے سارے بزرگوں کو بلایا۔ حسن بصریؒ بیماری کی وجہ سے نہ آسکے مگر خط بھیج دیا۔ امیر المومنین عمر بن عبدالعزیزؒ یہ خط پڑھتے اور روتے اور آنکھوں سے لگاتے۔

ایک بار مشہور عالم ابن اتہمؒ تشریف لے گئے اور کہا۔ ''آپ کو مسرور کروں؟ فرمایا: ''نہیں۔'' پھر کہا۔ ''نصیحت کروں۔'' فرمایا۔ ''ضرور۔'' ابن اتہم نے نہایت عمدہ خطبہ دیا۔ اس میں نصیحتیں تھیں اور ان کا رخ عمر بن عبدالعزیزؒ کی طرف تھا۔

سادگی

مشہور ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ جب خلیفہ نہیں تھے تو سب سے بڑے بادشاہ تھے، لیکن جب خلیفہ ہوئے تو راہب (فقیر) ہوگئے۔ یہ ایک عیسائی بادشاہ کا قول ہے۔ مسلمانوں کا کہنا ہے کہ عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہو کر عمر بن خطابؓ ہو گئے۔ حسن بصریؒ ہو گئے، امام زہریؒ ہو گئے۔ ایسے قولوں کی تائید میں تاریخ کی کتابوں کے اندر ہزاروں مثالیں موجود ہیں ہم یہاں دو چار واقعات لکھتے ہیں:

ایک بار جمعہ کی نماز پڑھا کر بیٹھے تو لوگوں نے دیکھا کہ قمیص کے آگے پیچھے پیوند لگے ہیں۔ ایک شخص نے کہا: ''امیر المومنین! خدا نے آپ کو سب کچھ دیا ہے، کیا اچھا ہو کہ آپ عمدہ کپڑے پہنیں۔'' یہ سُن کر گردن جھکا لی۔ پھر سر اٹھا کر کہا۔ ''مال داری کی حالت میں درمیانی چال اور قوت پا کر معافی کا طریقہ اختیار کرنا بہتر ہے۔''

بیمار ہوئے تو لوگ عیادت کو آنے لگے۔ اس حالت میں خلیفہ ایک میلی اور پھٹی ہوئی قمیص پہنے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک رشتہ دار بزرگ نے فاطمہ سے کہا۔ ''امیر المومنین کی قمیص دھو ڈالو۔'' دوسرے دن قمیص ویسی کی ویسی دیکھی تو فاطمہ کو ڈانٹا کہ ''میں نے قمیص دھونے کے لیے کہا تھا، لوگ عیادت کو آتے ہیں، مگر تم نے پروانہ کی۔'' خلیفہ کی بیوی فاطمہ نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین کے پاس اس قمیص کے سوا دوسری قمیص ہی نہیں ہے۔''

ایک بار آپ گھر سے دیر سے نکلے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی۔ فرمایا کہ ''رات میں نے مسور اور چنے کی دال کھالی، قبض ہو گیا۔'' یہ سن کر ایک صاحب نے کہا۔ قرآن میں ہے **فَكُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ** (ہم نے جو رزق تم کو دیا ہے اس میں سے پاک چیزیں کھاؤ) لیکن آپ دال دلیا ہی پر صبر کرتے ہیں۔'' فرمایا۔ ''تم نے اس کے معنی الٹے لیے۔ اس کا مطلب حلال روزی ہے نہ کہ لذیذ کھانا۔''

ایک بار گھر میں ان کے خادم کو دال کھانے کو ملی تو جھنجھلا کر بولا:

''روز روز دال؟'' گھر سے جواب ملا۔ ''تمہارے آقا امیر المومنین بھی روز یہی کھاتے ہیں، اور یہ بھی پیٹ بھر ان کو نہیں ملتی۔''

ایک بار ایک بدّو عورت آئی اور امیر المومنین کا گھر تلاش کرنے لگی۔ لوگوں نے بتایا۔ وہ گھر میں گئی تو بی بی فاطمہ سے کہا —— ''یہ امیر المومنین کا گھر ہے؟'' میں تو اس اجاڑ اور ویرانے میں اس لیے آئی تھی کہ اپنا گھر بناؤں گی۔'' بی بی فاطمہ نے جواب دیا۔ ''امیر المومنین نے تم ہی لوگوں کا گھر بنانے کے لیے یہ گھر اجاڑ اور ویران کر رکھا ہے۔'' اتنے میں خلیفہ عمر بن عبدالعزیز گھر میں تشریف لائے، بدّو عورت کو دیکھ کر حال پوچھا۔ پھر اس کی چار لڑکیوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

ایک بار انگور کھانے کو جی چاہا، بی بی سے ایک درہم مانگا، وہاں سے جواب نفی میں ملا، تو

ایک پیسہ طلب کیا۔ جواب ملا کہ آپ امیر المومنین ہو کر ایک پیسے کی مقدرت نہیں رکھتے۔'' فرمایا کہ'' جہنم کی ہتھکڑیوں سے پھر بھی بہتر ہے۔''

ایک بار ان کے صاحب زادے عبداللہ نے ان سے کپڑے مانگے انھوں نے اپنے درزی کے پاس بھیج دیا کہ جا کر لے لو۔ عبداللہ درزی کے پاس گئے تو وہاں اس نے گاڑھے کے تھان دکھائے عبداللہ نے پوچھا'' یہی کپڑا امیر المومنین کے لیے آیا ہے؟'' درزی بولا۔'' ہمارے پاس تو یہی آیا ہے۔''

ایک بار اپنی بیٹیوں کے یہاں گئے۔ لڑکیوں نے دیکھا تو منہ پر ہاتھ رکھ کر استقبال کو بڑھیں۔ انھوں نے منہ پر ہاتھ رکھنے کی وجہ پوچھی، لڑکیوں نے بتایا۔'' آج مسور کی دال اور پیاز کے سوا کچھ نہ تھا، وہی کھالیا، اس لیے ایسا کیا کہ آپ پیاز کے بو سے مکدّر نہ ہوں۔'' فرمایا'' اے بیٹیو! تم کو اس سے کیا فائدہ ہوگا کہ تم اچھے اچھے کھانے کھاؤ اور تمہارا باپ جہنم میں جھونک دیا جائے۔'' یہ سن کر لڑکیاں چیخ مار کر رو پڑیں۔

مزاج کی نرمی

ایک بار چند باورچی آئے اور اپنے حقوق کے لیے بحث و تکرار کرنے لگے۔ دوستوں نے ترکیب بتائی کہ ڈانٹ کر مرعوب کر دیجیے۔ لیکن عمر بن عبد العزیزؒ نہایت نرمی سے ان کے جواب دیتے رہے۔ یہاں تک کہ کچھ شرطوں پر سب راضی ہو کر چلے گئے اب عمر بن عبد العزیزؒ نے دوستوں سے کہا۔'' جب مریض دوا سے اچھا ہو جائے تو داغنا ٹھیک نہیں۔''

عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ حجاج سے خفا تھے۔ لیکن جب ایک شخص نے ان کے سامنے حجاج کو گالی دی تو بولے۔'' جب مظلوم ظالم کو برا کہہ کر اپنا بدلہ لے لیتا ہے تو ظالم کو اس پر فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔''

مساوات

خاندانِ اُمیہ کی خلافت کے زمانے میں بڑے لوگوں کو اپنی بڑائی کا احساس ہونے لگا تھا۔ اور یہ احساس سب سے زیادہ خاندانِ اُمیّہ کے لوگوں میں تھا۔ خلیفہ سے تعلق کی بنا پر لوگ

ان کا ادب واحترام اس طرح کرنے لگے تھے جیسے بادشاہوں کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ جنازے کی نماز میں شریک ہوتے تو ان کے لیے چادر بچھائی جاتی۔ لوگ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے۔ انہیں ہر جگہ اونچی جگہ بٹھایا جاتا۔ انھیں پہلے سلام کیا جاتا، اور ہر موقع پر ان کے اعزاز کو بڑھایا جاتا، لیکن عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو انھوں نے یہ سارے اعزاز ختم کر دیے۔ خلیفہ ہوتے وقت بادشاہی سواریاں تو انھیں واپس کر دیا، اور فرمایا: ''میرا خچر کافی ہے۔'' کوتوال کو منع کر دیا کہ برچھا لے کر آگے آگے نہ چلے، اس سے لوگوں پر خواہ مخواہ کا رعب پڑتا ہے۔ لوگ ان کے سامنے کھڑے ہوئے تو خود بھی کھڑے ہو گئے اور فرمایا: ''اگر تم کھڑے رہو گے تو ہم بھی کھڑے رہیں گے تم بیٹھو گے تو ہم بھی بیٹھیں گے۔ لوگو! صرف خدا کے سامنے کھڑے ہونا چاہیے۔'' جنازے کی نماز پڑھنے جاتے تو چادر ہٹا دیتے۔ خود عام مسلمانوں کے درمیان کھڑے ہوتے اور اپنے خاندان والوں کو بھی اسی طرح کھڑا کرتے۔ سرکاری عہدہ داروں کی تعظیم کے لیے اٹھنے کو منع کر دیا۔ سلام میں خود پہل کرتے اور خاندان والوں کو پہلے سلام کرنے کی تلقین کرتے اور اس کی فضیلت بیان کرتے۔

ایک بار رات کو ایک صاحب ان کے پاس بیٹھے بات چیت کر رہے تھے۔ اتنے میں چراغ جھلملانے لگا۔ ملازم سو چکا تھا ان صاحب نے کہا۔ ''اسے جگا دوں؟'' فرمایا۔ ''نہیں۔'' ان صاحب نے خود ٹھیک کرنا چاہا تو انھیں منع کر دیا کہ مہمان سے کام لینا ٹھیک نہیں۔ اس کے بعد خود اٹھ کر چراغ کی لَو ٹھیک کر دی۔ پھر واپس آئے تو فرمایا: ''جب میں ٹھیک کرنے گیا تو بھی عمر بن عبدالعزیز تھا، اور جب واپس آیا تو بھی عمر بن عبدالعزیز ہی ہوں۔''

ایک بار سو رہے تھے، لونڈی پنکھا جھل رہی تھی۔ پنکھا جھلتے جھلتے اسے نیند لگی اور سو گئی۔ یہ جاگے تو اسے سوتے پایا۔ خود اس کو پنکھا جھلنے لگے۔ وہ جاگی تو گھبرائی۔ فرمایا۔ ''تو بھی میری طرح انسان ہے، تجھ کو بھی گرمی لگتی ہے۔ جس طرح تو نے میرے لیے پنکھا جھلا، میں نے تیرے لیے۔'' یہ سن کر لونڈی کی گھبراہٹ کم ہوئی۔

ایک بار ایک پادری نے دعوت کی۔ ان کے سامنے خوان آیا۔ اس میں پستہ اور بادام تھے۔

دیکھ کر پوچھا۔ سب لوگوں کے لیے یہی ہے۔ جواب ملا۔ ''نہیں۔'' یہ آپ کے لیے خاص ہے۔ بولے۔ ''تو میں نہیں کھاتا۔ اسے واپس لے جاؤ۔''

ایک بار ایک شخص نے ان کی تعریف کی۔ فرمایا: مجھے اپنے نفس کا حال معلوم ہے۔ اگر تم کو معلوم ہوتا تو میرا منھ نہ دیکھتے۔

لوگوں کے درمیان اس طرح بیٹھ جاتے کہ اجنبی آتے تو پہچان نہ پاتے خاندان کے لوگ نہایت مغرور قسم کے تھے۔ ان سے کم ملتے۔ ایک بار انھوں نے شکایت کی کہ آپ مغرور ہو گئے ہیں۔ بولے: پہلے میں گھر کا ایک لڑکا تھا، تو تم سب بے پوچھے دندناتے چلے آتے، میرا فرش روندتے اور جو تمہارا جی چاہتا کرتے تھے۔ لیکن خلیفہ ہونے کے بعد میں نے یہ فیصلہ کیا کہ تمہارے مزاج کی اصلاح کروں۔ دیکھو غرور صرف خدا کو زیب دیتا ہے۔ میں خدا سے کیوں کر لڑ سکتا ہوں۔'' یہ سُن کر لوگ ایک دوسرے کا منھ دیکھنے لگے۔ گھر کی ایک بوڑھی بزرگ عورت نے کہا۔ میں نے لاکھ منع کیا کہ عمر بن خطابؓ کے خاندان کی لڑکی گھر[1] میں نہ لاؤ۔ مگر میری کسی نے نہ سنی۔ اب وہ دیکھو جو دیکھ نہیں سکتے۔''

---

(۱) یہ اشارہ اُمِ عاصم کی طرف ہے جو حضرت عمر بن خطابؓ (خلیفہ دوم) کی پوتی تھیں اور ان کی شادی عبدالعزیز بن مروان سے ہوئی تھی۔ انہی بزرگ خاتون کے بطن سے عمر بن عبدالعزیزؒ پیدا ہوئے۔

باب پنجم

اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ

''لوگ اپنے بڑوں کے دین پر چلتے ہیں''

عوام پر اثر

ہم نے شروع میں ایک مقام پر اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ ''لوگ اپنے بڑوں کے دین پر چلتے ہیں۔'' کے اثر کے بارے میں کچھ لکھا تھا۔ ایک اثر وہ تھا جو مروان، عبدالملک اور ولید وغیرہ کا رعایا پر پڑا۔ ایک اثر عمر بن عبدالعزیزؒ کا پڑا۔ اصل میں اس تذکرے سے میرا مقصد ہی یہ تھا کہ میں لوگوں کو یاد دلاؤں کہ معاشرے کی اصلاح کے لیے اوپر جو چار طریقے[1] بیان کیے گئے ہیں ان میں سب سے مؤثر طریقہ خلیفہ کا خود اپنا کردار ہے۔ اگر حکومت غلط ہے تو سارے طریقے بے اثر ہوتے ہیں۔ اگر حکومت اچھی ہے تو دوسرے طریقے بھی معاشرہ بنانے میں مددگار بنتے ہیں، ورنہ جماعت تو بگڑتی جاتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انفرادی حیثیت سے کچھ لوگ متقی بنے رہیں۔ حکومت اپنی طاقت سے برائیوں کو دبا سکتی ہے اور نیکیاں پھیلانے میں کامیاب ہوسکتی ہے۔ چناں چہ عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کے جو اثرات معاشرے پر پڑے ان کا تذکرہ ایک بزرگ نے بڑی خوبی سے کیا ہے۔ فرمایا کہ:

ولید بن عبدالملک عمارتیں بنوانے کا بڑا شوقین تھا۔ لوگ اس کے زمانے میں مل کر بیٹھتے تو عمارتوں کا تذکرہ کرتے۔

---

(۱) (الف) اچھی فکر (ب) اچھی تعلیم (ج) اچھی صحبت (د) اچھی حکومت

سلیمان بن عبد الملک بڑا کھانے والا اور نکاح کرنے والا بادشاہ تھا۔ لوگ اس کے زمانے میں کھانے پینے اور لونڈیوں کے بارے میں باتیں کرتے۔

عمر بن عبد العزیزؒ خلیفہ ہوئے تو ایک دوسرے سے پوچھتا کہ رات تم نے کون سا وظیفہ پڑھا؟ کتنا قرآن یاد کیا؟ قرآن کب شروع کیا تھا؟ کب ختم کا ارادہ ہے؟ کتنے روزے رکھے؟ وغیرہ۔

حکومتوں کے اچھا اور بُرا ہونے کے بارے میں ان بزرگ کا یہ بہترین تبصرہ ''اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ'' کی نہایت عمدہ تعبیر ہے۔ اب دیکھیے کہ عمر بن عبد العزیزؒ یعنی ایک اچھے خلیفہ کے ہونے سے اللہ تعالیٰ نے ملک پر کیا برکتیں نازفرمائیں۔

خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے علماء کو توجّہ دلائی کہ وہ قرآن کے حکموں کو عام کریں۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ ملک میں عام لوگوں کو دین کی ضروری باتیں معلوم ہونے لگیں، اور وہ صحیح معنوں میں دین دار بننے لگے۔ پابندی سے نماز پڑھنے لگے، اور لوگوں کے دلوں میں آخرت کا خوف پیدا ہوگیا۔ آخرت کے خوف نے لوگوں کے اخلاق وعادات پر بڑا اچھا اثر ڈالا، لوگ حرام وحلال میں فرق کرنے لگے۔ انھیں بے جا کھیل تماشوں سے نفرت ہوگئی وہ نشلی چیزوں سے پرہیز کرنے لگے۔ برائیاں دب گئیں اور چاروں طرف نیکیوں کا بول بالا ہوگیا۔

عمر بن عبد العزیزؒ نے حدیثوں کے جمع کرنے اور پھیلانے کا حکم دیا۔ اس کا اثر یہ پڑا کہ لوگ ہر وقت احادیث رسولؐ کی طرف متوجّہ رہنے لگے۔ لوگوں کو حدیثوں سے ایسی دل چسپی پیدا ہوگئی کہ گھر گھر ان کا چرچہ ہونے لگا۔ تاریخ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ آگے چل کر فقہ کے جو چار امام (حضرت ابوحنیفہ امام اعظمؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ) ہوئے۔ ان کے لیے عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ ہی نے زمین ہموار کردی تھی۔

جگہ جگہ اچھی صحبتوں کے حلقے اور اجتماع گاہیں بنا دینے سے بزرگوں کا چھوٹوں سے براہ راست تعلق قائم ہوگیا۔ بزرگوں کی عادتوں کا عوام پر اثر پڑا اور وہ اسلام کے سانچے میں ڈھلنے لگے اور اب وہی اسلام جو عوام سے دور ہوتا جارہا تھا، عوام کے قریب آنے لگا۔

فوج کی طرف توجہ دینے سے ملک میں امن قائم ہوا۔ بغاوتیں جو آئے دن ہوتی رہتی تھیں ختم ہو گئیں۔

عمر بن عبد العزیزؒ نے حکم دیا کہ دین کی دعوت پیش کیے بغیر غیر مسلم فوج پر حملہ نہ کیا جائے۔ اس کا اثر یہ پڑا کہ اسلام دشمن فوجوں کو اسلام اور اس کے تقاضے سمجھنے کا موقع ملا۔ غیر ملکی بادشاہوں سے ربط قائم کرنے کا موقع ملا اور انھوں نے اسلام کو سمجھنا شروع کر دیا۔ چناں چہ بہت سے غیر مسلم بادشاہ مسلمان ہو گئے۔ ماوراء النہر کے بادشاہ، سندھ کے کچھ راجا اور ٹھاکر اور بربر کے رئیس اپنی تمام رعایا کے ساتھ اسی طرح مسلمان ہوئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت سے پہلے حجاج کی ظالمانہ پالیسی اور نالائق گورنروں کی روش سے دنیا میں اسلام کا اخلاقی تعارف بڑے غلط طریقے سے ہو رہا تھا۔ جزیہ کی وصول یابی غلط طریقے سے ہوتی اور بہت سے ناجائز ٹیکس وصول کیے جاتے تھے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے ان برائیوں کو ختم کیا تو لوگ ایسا متاثر ہوئے کہ ہزاروں غیر مسلموں نے خوشی خوشی اسلام قبول کر لیا۔

بیت المال کی آمدنی اور خرچ اسلامی اصولوں کے مطابق ہونے لگا تو ہر چھوٹے بڑے کو اس کی ضرورتوں کے مطابق فائدہ پہنچا، رعایا خوش حال ہو گئی۔ لوگ اتنے فارغ البال ہو گئے کہ صدقہ اور زکوٰۃ لینے والے لوگ ڈھونڈنے سے نہ ملتے تھے۔ یحییٰ بن سعید کہتے ہیں کہ مجھے عمر بن عبد العزیزؒ نے افریقہ کا صدقہ وصول کرنے اور خرچ کرنے کے لیے بھیجا۔ میں نے جا کر صدقہ وصول کیا۔ پھر حق دار لوگوں کو بلایا کہ اس کو بانٹ دوں۔ لیکن بے حد انتظار اور اعلان کرنے پر بھی کوئی ضرورت مند اور فقیر نہیں آیا تو میں نے اس رقم سے غلام خریدے اور آزاد کر دیے۔

ایک بار مدینے سے کچھ لوگ ملنے آئے۔ عمر بن عبد العزیزؒ نے ان سے مسکینوں کا حال پوچھا۔ بتایا گیا کہ جو لوگ بھیک مانگنے جہاں بیٹھے تھے وہ سب وہاں سے اٹھ گئے اور خدا نے ان کو بھیک مانگنے سے بے پروا کر دیا۔

عمر بن عبد العزیزؒ کے ایک خاص عامل عدی بن ارطاۃ نے ایک بار خلیفہ کو لکھا کہ بصرہ کے لوگ اتنے خوش حال ہو گئے ہیں کہ اندیشہ ہے مغرور ہو جائیں۔ جواب دیا کہ لوگوں کو حکم دو کہ وہ خدا کا شکر ادا کریں اور الحمد للہ کہیں کہ خدا نے جنت والوں کے لیے یہی پسند فرمایا ہے۔

ثبوت میں بہت سے واقعات پیش کیے جا سکتے ہیں، لیکن ہم انھیں چھوڑ کر ایک حدیث

درج کرتے ہیں اور اس پر حدیث کے علماء کی رائے پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ حدیث نبی کریم ﷺ کی ایک پیشین گوئی ہے جو حضورؐ نے حضرت عدی بن حاتمؓ سے بیان فرمائی۔ حضرت عدیؓ روایت کرتے ہیں۔ کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

> ''کیوں عدی تم نے حیرہ کو دیکھا؟ میں نے کہا کہ دیکھا نہیں سنا ہے۔ فرمایا۔ اگر تم کچھ دنوں اور زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک ہودج نشین عورت حیرہ سے سفر کر کے آئے گی اور خانۂ کعبہ کا طواف کرے گی اور خدا کے سوا اس کو کسی کا ڈر نہ ہوگا۔ اگر تم کچھ دنوں زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کے خزانے فتح ہو گئے۔ اور اگر تم کچھ دنوں زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا یا چاندی لے کر اس شخص کی تلاش میں نکلے گا جو اس کو قبول کرے لیکن اس کا قبول کرنے والا کوئی نہ ملے گا۔''

حدیث کے کچھ علماء کہتے ہیں کہ اس حدیث کی دو پیشین گوئیاں حضرت عدیؓ کی زندگی میں پوری ہو گئیں لیکن تیسری پیشین گوئی عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانے میں پوری ہوئی کہ لوگ ان کے گورنروں کے پاس کثرت سے مال لاتے اور کہتے کہ غریبوں کو بانٹ دو۔ لیکن گورنر یہ کہہ کر واپس کر دیتے کہ ہمیں فقیر نہیں ملتے۔

حضور ﷺ کی پیشین گوئی کے تیسرے جز و کو عمر بن عبد العزیزؒ کی خلافت میں پورا ہوتے دیکھا تو علمائے حدیث نے حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ کی طرح انھیں بھی خلیفۂ راشد مان لیا۔ ان کی رائے ہے کہ خلفائے راشدین پانچ ہیں اور پانچویں ہیں عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی خلافت کے زمانے میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ بچہ بچہ غنی ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فخر کے ساتھ کہا کرتے:

> ''خدا حجاج پر لعنت کرے۔ اس کو نہ دین کی لیاقت تھی نہ دنیا کی۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے عراق سے دس کروڑ اٹھائیس لاکھ درہم وصول کیے۔ زیاد نے دس کروڑ پچیس لاکھ اور حجاج نے ظلم وستم کرنے پر دو کروڑ اسی لاکھ وصول کیے (اور اس نے عراق کو ویران کر دیا) اس ویرانی کے ساتھ عراق میرے قبضے میں آیا تو میں نے دس کروڑ چوبیس لاکھ وصول کیے۔ اور اگر زندہ رہا تو حضرت عمر بن خطابؓ کے زمانے سے زیادہ وصول کروں گا۔''

اصل بات یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے لوگوں کے دلوں میں ایمان کی وہ جوت جگا دی تھی کہ ان کی زندگی کا مقصد رب کی رضا بن گیا تھا۔ وہ دین پر عمل کرنے لگے تھے اور ثواب کمانے کے لیے بہانے تلاش کرتے۔ زکوٰۃ، عشر اور صدقات دل کی خوشی کے ساتھ دیتے۔ اعانتوں کی رقمیں الگ سے بھیجتے اور مقامی طور پر غرباء، مساکین، اہل وعیال، رشتہ داروں اور ہمسائے کے حقوق دل کھول کر ادا کرتے ان ہی سب کا اثر تھا کہ اللہ کی توفیق حرکت میں آئی اور برکتیں نازل ہوئیں۔ پرتی زمین کا مناسب انتظام کیا تو وہ سونا اگلنے لگی۔

خاندانِ اُمیّہ پر اثر

حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کا ایک اثر تو وہ پڑا جو اوپر بیان کیا گیا۔ ایک اثر ان کے خاندان والوں پر پڑا۔ خود ان کے بال بچّے گو فقیر ہو گئے لیکن عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کی اس طرح تربیت واصلاح کی کہ وہ اپنے حال پر صابر وشاکر رہے لیکن خاندان کے وہ لوگ جو ان کی خلافت کے زمانے سے شہزادوں کی طرح رہتے تھے، اور عمر بن عبد العزیزؒ کی توجّہ اور تربیت کے باوجود ان کا ذہن سنور نہ سکا تھا۔ بلکہ خلیفہ کی طرف سے ان کے دلوں میں غم اور غصّہ بڑھتا جا رہا تھا۔ چھینے ہوئے مال کی واپسی نے ان کی امیرانہ زندگی کو ختم کر دیا۔ اور عمر بن عبد العزیزؒ نے اسلامی مساوات کے اصولوں کو برتا تو خاندان اُمیّہ کے افراد کی حیثیت عام مسلمانوں جیسی ہو گئی۔ اس سے ان کے نفس کو زبردست ٹھیس پہنچی۔ انھوں نے طرح طرح سے اپنا غصّہ خلیفہ پر اتارا، لیکن خلیفہ نے کچھ پروا نہ کی۔ خلیفہ سے ان کی جھڑپ کے واقعات بہت ہیں۔ دو ایک یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔

ایک بار خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کے سامنے لونڈیاں پیش کی جا رہی تھیں۔ ہر لونڈی کو دیکھ کر فرماتے۔ ”یہ اللہ اور رسول کا مال ہے۔“ اس وقت عباس بن الولید بن عبد الملک بھی موجود تھا۔ جب کوئی خوب صورت لونڈی پیش ہوتی تو کہتا۔ ”امیر المومنین! اسے اپنے لیے رکھ لیجیے۔“ جب اس نے بار بار یہ فقرہ کہا تو خلیفہ نے ڈانٹ دیا کہ تم مجھے زنا کی ترغیب دیتے ہو۔ یہ سن کر عباس وہاں سے اٹھا۔ خاندان والوں سے کہا: ”ایسے شخص کے دروازے پر کیوں بیٹھے ہو جو تمہارے باپ دادا کو زانی کہتا ہے(۱)۔“

---

(۱) خاندان اُمیّہ کے خلیفہ اچھی لونڈیوں کو مخصوص کر لیا کرتے تھے۔

ایک بار تمام خاندان نے ان کے پاس ہشام بن عبد الملک کو سفارشی بنا کر بھیجا۔ اس نے آ کر کہا۔ ''اے امیر المومنین! مجھے خاندان والوں نے اپنا وکیل بنا کر بھیجا ہے۔ وہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ اپنی جائداد کے لیے اپنے طریقے پر عمل کیجیے لیکن ہمارے پرانے حق نہ ماریے۔'' حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا۔ ''اگر تمہارے سامنے کسی معاملے کے بارے میں ایک فیصلہ حضرت معاویہؓ کا ہو اور ایک عبد الملک کا، تو تم دونوں میں سے کس پر عمل کرو گے؟ ہشام نے جواب دیا۔ ''پہلے والے پر۔'' فرمایا۔ ''تو میں اللہ کی کتاب کو سب سے پہلے پاتا ہوں، اور میں اسی کے مطابق ہر شخص کو اور ہر اس چیز کو جو میری اپنی ہے، اور میری خلافت میں ہے چلانے کی کوشش کروں گا۔''

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پرپوتے حضرت سعید بن خالد بن عمر بن عثمانؒ نے یہ سن کر خلیفہ کی تحسین کی، لیکن خاندان کے دوسرے لوگ یہ فیصلہ سن کر غصّے سے ہونٹ کاٹنے لگے۔

ایک بار خاندان کے لوگوں نے ان کی پھوپھی کو سفارشی بنا کر بھیجا۔ انھوں نے آ کر کہا۔ ''تمہارے خاندان والے شکایت کرتے ہیں کہ ''تم نے ان سے غیر کی دی ہوئی روٹی چھین لی۔'' عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا۔ ''میں نے ان کا حق نہیں مارا۔'' وہ بولیں۔ ''سب لوگ اس کے متعلق آپس میں باتیں کرتے ہیں، اندیشہ ہے کہ تمہارے خلاف بغاوت کریں۔'' فرمایا۔ ''اگر میں قیامت کے سوا کسی دن سے ڈروں تو خدا مجھے اس کی برائیوں سے نہ بچائے۔

اس کے بعد ایک اشرفی، گوشت کا ایک ٹکڑا اور ایک انگیٹھی منگوائی۔ اشرفی کو آگ میں ڈال دیا۔ جب وہ خوب سرخ ہو گئی، تو اس کو اٹھا کر گوشت کے ٹکڑے پر رکھ دیا جس سے وہ بھن گیا۔ اب پھوپھی سے کہا۔ ''اپنے بھتیجے کے لیے اس قسم کے عذاب سے پناہ نہیں مانگتیں؟''

جب زیادہ چہ می گوئیاں ہونے لگیں تو ایک دن خاندان کے سب لوگوں کو جمع کیا اور دیر تک روکے رکھا۔ جب وہ سب بھوک سے بے چین ہو گئے تو ستو اور کھجوریں کھلائیں۔ جب لوگ پیٹ بھر کے کھا چکے تو روٹیاں اور گوشت منگوایا، اور سب سے کہا۔ ''کھاؤ۔'' ان لوگوں نے انکار کیا کہ اب کھا ہی نہیں سکتے۔ فرمایا۔ تو پھر آگ میں کیوں گھستے ہو؟ یعنی جب سادہ غذا سے پیٹ بھر سکتا ہے تو پیٹ کے لیے ناجائز لقمہ کیوں مانگتے ہو؟ یہ کہہ کر خود بھی روئے اور لوگوں کو بھی رُلایا۔

باب ششم

وفات

خاندان والے وہاں سے اٹھے تو سب پھر شکایتیں لے بیٹھے اور خلیفہ کی جان لینے کی تدبیریں کرنے لگے۔ بغاوت کرنے کی ان میں ہمت نہیں تھی۔ کیوں کہ تمام رعایا خلیفہ کے ساتھ تھی۔ آپس میں مشورہ کر کے ۲۰/رجب ۱۰۱ھ کو انھیں زہر دے دیا۔ حالت خراب ہوئی تو عمر بن عبدالعزیزؒ سمجھ گئے۔ جس غلام نے زہر دیا تھا اسے بلایا۔ پوچھا۔ ''تم نے مجھے کس لالچ میں زہر دیا؟'' اس نے کہا'' مجھے ہزار دینار دے کر آزاد کرنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔''

یہ سن کر خلیفہ نے وہ دینار منگوا کر بیت المال میں جمع کرا دیے اور غلام سے کہا۔ ''تم آزاد ہو لیکن کہیں ایسی جگہ چلے جاؤ جہاں تم کو کوئی دیکھ نہ سکے۔'' اس کے بعد طبیب آیا تو انھوں نے علاج کرانے سے انکار کر دیا۔

زہر سارے بدن میں سرایت کر چکا تھا۔ گھر والوں کے علاوہ خاندان والوں میں چچازاد بھائی مسلمہ بن عبدالملک ان سے محبت کرتا تھا۔ اس نے بال بچوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔ ''امیرالمومنین! آپ نے اپنی اولاد کا منہ اس مال سے خشک رکھا۔ اسی لیے آپ ان کو ایسی حالت میں چھوڑ رہے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں ہے۔ کیا اچھا ہو کہ آپ مجھے یا اپنے خاندان کے کسی اور شخص کو ان کے بارے میں کچھ وصیت کر جائیں۔ بولے۔ '' مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو۔'' ٹیک لگا کر بیٹھے تو فرمایا۔ '' تمہارا یہ کہنا کہ میں نے ان کے منہ کو اس مال سے خشک رکھا۔ خدا کی قسم! میں نے ان کا حق کبھی نہیں مارا۔ ہاں جس پر ان کا حق نہ تھا وہ ان کو کبھی نہ دی تمہارا یہ کہنا کہ میں تم کو یا خاندان کے کسی شخص کو ان کے بارے میں وصیت کر جاؤں تو میں ان کا ولی خدا کو بناتا ہوں۔

خدا ہی نیک بندوں کا ولی ہوتا ہے۔ میرے لڑکے اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لیے کوئی صورت نکال دے گا۔ اور اگر وہ گناہوں میں پھنسیں گے تو میں (مال دے کر) گناہ کرنے میں ان کی مدد نہ کروں گا۔''

اس کے بعد لڑکوں کو بلایا اور نصیحت کرتے ہوئے ایک چھوٹی سی تقریر فرمائی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

> ''بیٹو! تمہارا باپ دو باتوں میں سے ایک بات کرسکتا تھا یا تو وہ تم کو مال دے کر مال دار کردیتا اور خود جہنم میں جاتا، یا یہ کہ تم کو محتاج کر کے خود جنت میں جائے۔ میں تم کو محتاج رکھ کر جنت میں جانا چاہتا ہوں۔ پیارے بیٹو! جاؤ خدا تمہارا مالک ہے۔''

مسلمہ بن عبدالملک نے عرض کیا۔'' امیر المومنین! میں ایک لاکھ کی رقم دیتا ہوں۔ آپ اس کے بارے میں وصیت کر جائیے۔'' فرمایا۔ اس رقم کو جہاں سے لائے ہو وہیں واپس کردو۔'' یہ سن کر مسلمہ رو پڑے۔

لوگوں کو حکم دیا میرے پاس کوئی نہ رہے۔ لوگ پاس سے ہٹ گئے۔ تو پوری توجہ اللہ کی طرف لگادی۔ دروازے پر مسلمہ بن عبدالملک (چچازاد بھائی) اور بیوی فاطمہ بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر کے بعد ان کے کان میں آواز آئی۔'' کیا مبارک چہرے ہیں، جو نہ آدمیوں کے ہیں نہ جنوں کے۔'' اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

> تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (القصص:۸۳)
>
> ''یہ آخرت کا گھر ہے۔ ہم نے اسے ان لوگوں کے لیے بنایا ہے جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد مچاتے ہیں اور عاقبت تو اللہ کی نافرمانی سے ڈرنے والوں کے لیے ہے۔''

یہ آیت پڑھنے کے بعد آواز آنا بند ہوگئی۔ دروازے پر بیٹھے ہوئے بھائی نے فاطمہ سے کہا۔'' امیر المومنین کا انتقال ہوگیا۔ اس کے بعد جا کر دیکھا گیا تو واقعی انتقال ہو چکا تھا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ بیس دن بیمار رہے۔ ۲۵/رجب ۱۰۱ھ بدھ کے دن ۳۹ سال کی عمر میں انتقال ہوا۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو چاروں طرف ماتم برپا ہوگیا۔ امام حسن بصریؒ نے سنا تو اِنَّا لِلّٰہِ پڑھ کر پکارے۔ ''اے ہر نیکی کے مالک!'' تمام علماء بی بی فاطمہ کے پاس آئے اور کہا۔ ''یہ مصیبت تمام امت کے لیے ہے۔'' ملک کے کونے کونے میں لوگوں نے ان کی نیکیوں کا تذکرہ کیا۔ روم کے عیسائی بادشاہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ رو پڑا۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو بتایا کہ۔ ''آج ایک صالح مرد کا انتقال ہوگیا۔'' اس کے بعد عمر بن عبدالعزیزؒ کی تعریف کر کے بولا: ''مجھے اس راہب کی حالت پر کوئی تعجب نہیں جس نے اپنے دروازے بند کر کے دنیا کو چھوڑ دیا اور عبادت میں لگ گیا مجھے تو اس شخص کی حالت پر افسوس آتا ہے، جس کے قدموں کے نیچے دنیا تھی اور اس نے اس کو روند کر فقیرانہ زندگی بسر کی۔''

ایک اور پادری نے سنا تو بے اختیار رونے لگا۔ لوگوں نے اس سے کہا۔ ''تم کیوں روتے ہو؛ وہ تمہارے مذہب کے نہ تھے۔'' بولا ''میں ان کو نہیں روتا میں تو اس نور کو روتا ہوں جو زمین پر تھا اور اب بجھ گیا۔''

مدتوں لوگ ان کو روتے رہے۔ شاعروں کو انھوں نے کبھی کچھ نہیں دیا، مگر انتقال ہوا تو انھوں نے بڑے دردناک مرثیے کہے۔

آئیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی یاد پھر تازہ کرلیں۔

ان کے والد عبدالعزیز خاندان امیہ کے ایک با اثر اور علماء کی قدر کرنے والے شخص تھے اور ماں اُمِّ عاصم حضرت بن خطابؓ کی پوتی اور نہایت صالح خاتون تھیں۔

عمر بن عبدالعزیزؒ نے عبداللہ بن عمرؓ اور صالح بن کیسان جیسے بزرگوں کی نگرانی میں مدینے میں تعلیم پائی۔

عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

خلیفہ عبدالملک نے اپنی بیٹی سے شادی کر کے انھیں ایک صوبہ کا گورنر بنا دیا۔ عمر بن عبدالعزیزؒ اپنے وقت کے سب سے بڑے شوقین اور شان وشوکت کے شہزادے تھے۔

خلیفہ ہوئے تو بچپن کی تعلیم و تربیت ابھر آئی اور شان و شوکت چھوڑ کر بگڑی ہوئی خلافت کو خلافت راشدہ کی مثل بنا دیا۔

معاشرے کی اصلاح کے لیے انھوں نے چار طریقے برتے:

(۱) اچھی فکر بنانے کے لیے لوگوں کو دین کی طرف توجہ دلائی۔

(۲) لوگوں کو اچھی تعلیم دلانے کے لیے قرآن وسنت کی تبلیغ کی۔ مکتب اور مدرسے قائم کیے۔

(۳) ملک میں اچھی صحبتوں کے لیے حلقے قائم کیے اور باعمل لوگوں کو ان حلقوں کا نگراں مقرر کیا۔

(۴) اچھی حکومت قائم کی اور اس سے اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوا۔ (رحمۃ اللہ علیہ)
